صداقتوں کی روشنی کو کون دور کر سکتا ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر
بعض اعتراضات کا جواب

از

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

دیباچہ

ناظرین کو اس بات سے ناواقفیت نہیں ہے کہ ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو بوقت ساڑھے دس بجے حضرت اقدس مسیح الزماں مہدی دوران ؑنے اس دار فانی سے دار آخرت کی طرف کوچ کیا اور خدا کا وہ کلام جو اس کے مسیح پر نازل ہؤا تھا پورا ہوا کہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس تندرست تھے۔ اور سوائے پرانی بیماری دستوں کے جو کہ قریباً ایک مہینہ سے پھر لاحق ہو رہی تھی اور سب طرح خیریت تھی اگرچہ اس بیماری کی وجہ سے نقاہت ہو رہی تھی مگر چونکہ مدتوں کی تھی اس لئے چنداں خیال نہ تھا۔ اور اسی حالت میں حضرت ؑنے لاہور میں کئی تقریریں کیں اور ایک کتاب پیغام صلح لکھی جو ۳۱ مئی کو ایک بڑے جلسہ میں سنائی جانے والی تھی مگر خدا کی باتوں کو کون جانتا ہے۔ شام کے وقت آپ سیر کو گئے اور وہاں سے واپس آکر فرمایا کہ آج مجھ کو بہت دست آرہے ہیں اور نقاہت زیادہ ہے۔ قریباً دس بجے کھانا کھانے کے لئے بیٹھے اور راقم عاجز بھی آپ کے ساتھ تھا۔ ایک دو لقمہ کھا کر فرمایا کہ پھر دست آیا ہے۔ اور کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ رفع حاجت کے بعد آکر پلنگ پر لیٹ گئے اور طبیعت بہت کمزور تھی مگر ابھی زیادہ تکلیف نہ تھی قریباً دو اڑھائی بجے مجھے جگوایا جب میں اٹھا تو معلوم ہؤا کہ حضرت اقدس ؑبہت بیمار ہیں اور ایک دو دست اور بھی آچکے ہیں ڈاکٹر موجود تھے اور حضرت مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ خلیفۃ اللہ بھی دعا و دوا میں مشغول تھے۔ کوئی تین ساڑھے تین بجے نبض بالکل ساکت ہو گئی اور دل کی حرکت بند ہو گئی مگر ایک منٹ کے بعد ہی پھر آپ کی حالت رو بصحت ہو گئی۔ اور آپ نے آنکھیں کھول دیں صبح ساڑھے چھ بجے تک ہوش رہا مگر پھر آپ سو گئے اور اسی حالت میں قریباً ساڑھے دس بجے آپ کی وفات ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

اگرچہ الہام الٰہی صاف طور سے آپ کی وفات کی خبر دے رہے تھے لیکن بوجہ محبت کے اس طرف خیال نہ جاتا تھا کہ اتنی جلدی آپ کی وفات ہو گی۔ مگر حضرت اقدسؑ سمجھ چکے تھے کہ میری وفات قریب ہے چنانچہ یہ بات الوصیت سے صاف طور سے ظاہر ہوتی ہے اور پھر اس کے بعد وقتاً فوقتاً گھر میں اس کا ذکر کرتے رہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو متواتر خبر مل رہی ہے کہ تیری وفات قریب ہے۔

غرضیکہ یہ آپؑ کی وفات ہے جس نے مجھ کو اس رسالہ کے لکھنے کی تحریک کی ہے۔ اور چونکہ مخالفین سلسلہ نے اپنی پرانی عادت کے مطابق اس موقعہ پر بھی بہت کچھ زہر اگلا ہے اور اپنے نفسانی گندوں کا اظہار کیا ہے اور حضرتؑ کی وفات پر بہت کچھ اعتراض کئے ہیں۔ اس لئے راقم عاجز کے دل میں خداوند تعالیٰ نے یہ تحریک پیدا کی کہ میں ان تمام اعتراضوں کا جو مجھ تک پہنچے ہیں اور عام طور پر شائع کئے جاتے ہیں جواب دوں اور حتی الوسع مخالفین کی خباثت کو ظاہر کروں کہ وہ کن کن فریبوں اور جھوٹوں سے کام لیتے ہیں چنانچہ اس رسالہ میں علاوہ دیگر مفید باتوں کے عبدالحکیم مرتد اور ثناء اللہ کی لن ترانیوں کے جواب بھی دیئے گئے ہیں اور جو حضرت اقدسؑ کی پیشگوئیوں پر اعتراض کئے جاتے ہیں ان کا رد بھی کیا گیا ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِىِّ الْعَظِيْمِ۔

والسلام

خاکسار مرزا بشیرالدین محمود احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہِ الکریم

تمہید

اور بعض نہایت ضروری باتیں

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

خدا تعالیٰ کے پاک کلام کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ (الرحمان: ۲۷-۲۸) کے مطابق جو کوئی پیدا ہؤا وہ فوت ہوا۔ اور جو آئندہ پیدا ہو گا وہ بھی فوت ہو گا۔ سوائے خدا کی ذات واحد کے اور کوئی نہیں جو ہمیشہ ہو اور ہمیشہ رہے۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے خدا تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو وفات دے کر اس بات کو ایسی طرح ثابت کر دیا کہ کوئی شک و شبہ کی گنجائش بھی نہیں رہی اور آج تیرہ سو سال آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کی وفات نے خدا تعالیٰ کے کلام کی سچائی کو دنیا پر ظاہر کیا اور ثابت کر دیا کہ کوئی شخص خواہ خدا تعالیٰ کا کیسا ہی پیارا ہو اور کتنی ہی بڑی شان کا ہو۔ آخر بشر ہے اور مخلوق ہے اور ایک دن اس کے لئے مرنا ضروری ہے۔ مگر مبارک وہ جو ان باتوں سے نصیحت پکڑے اور اپنے نفس کو شرک کی ملونی سے پاک رکھے۔

چونکہ نبیوں کا کام بھی دنیا سے شرک اور دوسرے گناہوں کا دور کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ اپنے نام کی چمکار دکھلانے کے لئے ان کے ہاتھوں سے ایسے نشان دکھلاتا ہے کہ دنیا پر خدا تعالیٰ کا وجود روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے اور دنیا گویا کہ خدا تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی ہے اور ان کی وفات کے ساتھ بھی ایسے نشان وابستہ ہوتے ہیں کہ ان کی موت بھی چشم بصیرت

رکھنے والوں کے لئے خدا تعالیٰ کی ذات کا ایک بین ثبوت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کی پیدائش اور وفات بھی تمام نبیوں کی طرح ہوئی۔ آپ کے لئے پیشگوئی تھی کہ آنے والا مسیح توام پیدا ہوگا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا اور حضرتؑ کی پیدائش دنیا کے لئے ایک نشان قرار دی گئی کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ کی شوکت اور جلال ثابت ہؤا۔ اور اس کے ایک بزرگ بندے کا کلام جو اس نے خدا سے خبر پا کر کیا تھا پورا ہؤا۔ اور پھر آپ کی وفات بھی سنت انبیاء کے مطابق ایک نشان کے طور پر ہوئی۔ کیونکہ آپ نے اپنی وفات پانے سے پہلے ہی دنیا کو اس بات کی خبر دے دی تھی کہ میں عنقریب وفات پانے والا ہوں۔

چنانچہ آپؑ نے دسمبر ۱۹۰۵ء میں رسالہ الوصیت شائع کیا اور اس میں بوضاحت اس امر کو لکھ دیا کہ اب میں بہت جلد وفات پانے والا ہوں اور اپنے پیدا کرنے والے اور مامور کرنے والے کی طرف جانا میرے لئے مقدر ہو چکا ہے۔ اس لئے میں اپنی وصیت کو شائع کرتا ہوں۔ چنانچہ اس الوصیت کے شروع میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "چونکہ خدائے عزوجل نے متواتر وحی سے مجھے خبر دی ہے کہ میرا زمانہ وفات نزدیک ہے اور اس بارہ میں اس کی وحی اس قدر تواتر سے ہوئی کہ میری ہستی کو بنیاد سے ہلا دیا اور اس زندگی کو میرے پر سرد کر دیا۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے دوستوں اور ان تمام لوگوں کے لئے جو میرے کلام سے فائدہ اٹھانا چاہیں چند نصائح لکھوں"۔ (الوصیت صفحہ ۳' روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۱)) اور پھر آگے چل کر یوں تحریر فرمایا ہے۔ کہ "سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھاتا ہے۔ تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلاوے۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے۔ بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔" سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے۔ تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔ وہ ہمارا

خداوعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے- وہ سب کچھ تمہیں دکھلائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا ہے- اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے- پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے- جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی- میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہؤا- اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں- اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے- جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے- سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو- اور چاہیئے کہ ہر ایک صالحین کی جماعت ہر ایک ملک میں اکٹھے ہو کر دعاؤں میں لگے رہیں- تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو اور تمہیں دکھاوے کہ تمہارا خدا ایسا قادر خدا ہے- اپنی موت کو قریب سمجھو- تم نہیں جانتے کہ کس وقت وہ گھڑی آجائے گی۔" (رسالہ الوصیت صفحہ ۷-۸، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۵-۳۰۶)

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اب آپ کی زندگی کے بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں- اور قریب ہی وہ خدا کا پاک وجود ہم سے اٹھایا جانے والا ہے- چنانچہ اسی الوصیت میں یہ الہام الٰہی درج ہیں کہ "بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں- اس دن سب پر اداسی چھا جائے گی- یہ ہو گا- یہ ہو گا- یہ ہو گا- بعد اس کے تمہارا واقعہ ہو گا- تمام حوادث اور عجائبات قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئیگا۔" اور پھر آپ نے جماعت کی نازک حالت کو ملاحظہ کر کے اس خوف سے کہ کہیں یہ ابتلاء میں نہ پڑیں مندرجہ ذیل الفاظ میں آنے والے ابتلاؤں سے ان کو آگاہ کیا- "مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے- اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعویٰ بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے- وہ جو کسی ابتلاء سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہیں کرے گا اور بدبختی اس کو جہنم تک پہنچائے گی- اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا تھا- مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور ان پر مصائب کے زلزلے آئیں گے- اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دنیا ان سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی- وہ آخر فتح یاب ہوں گے- اور برکتوں کے دروازے ان پر کھولے جائیں گے- خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں- اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے"

(رسالہ الوصیت صفحہ ۱۱، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۳۰۹)

اور پھر آپ کی وصیت پر ہی بس نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کے شائع ہونے کے بعد بھی متواتر ان الہامات کا سلسلہ جاری رہا۔ اور خدا تعالیٰ نے بار بار اپنے بندے کو اس بات کی اطلاع دی کہ اب تیرا وقت قریب آ گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اہل بیت اور دیگر جماعت کی تسلی کے لئے بھی کلام الٰہی نازل ہوتا رہا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل الہامات اور رؤیائے صالحہ جو اس بارے میں ہوئے اختصار کے ساتھ یہاں بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔

"رؤیا میں میں نے مولوی عبد الکریم صاحب کو دیکھا اور فوت شدہ خیال کر کے ان سے کہا کہ میری عمر اتنی ہو کہ سلسلہ کی تکمیل کے واسطے کافی وقت مل جائے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ تحصیلدار۔ میں نے انہیں کہا کہ آپ غیر متعلق بات کیوں کرتے ہیں۔ جس امر کے لئے کہا ہے اس کے لئے دعا کریں تو انہوں نے سینہ تک ہاتھ اٹھائے مگر آگے نہ اٹھائے۔ اور کہا کہ اکیس۔ اکیس۔ اکیس اور یہی کہتے ہوئے چلے گئے" اب اس خواب پر غور کرتے ہوئے ہر ایک صاحب بصیرت دیکھ سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے۔ کہ حضرت اقدسؑ کے دعا کے لئے کہنے پر مولوی صاحب نے شرح صدر سے دعا نہیں کی۔ کیونکہ ان کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا تھا۔ کہ جس قسم کی تکمیل حضرت اقدسؑ چاہتے ہیں وہ نہ تو انبیاء کی سنت سے ہے۔ اور نہ آپ کو اتنی عمر ملنی ہے۔ اس لئے انہوں نے منہ تک ہاتھ اٹھانے کی بجائے سینہ تک ہاتھ اٹھا کر روک لئے اور اس بات کو خود حضرت اقدسؑ نے بھی محسوس کیا۔ کیونکہ آپ نے خواب کو لکھتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ کہ مولوی صاحب نے سینہ تک ہاتھ اٹھائے ہیں اور آگے نہیں اٹھائے۔ پھر مولوی صاحب کا اکیس۔ اکیس۔ اکیس کہنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ اکیس کا لفظ آپ کی تبلیغ کی عمر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ آپ کا سوال مولوی صاحب سے یہ تھا کہ مجھ کو اتنی عمر ملے کہ سلسلہ کی تبلیغ کے لئے کافی ہو اور اس کے جواب میں مولوی صاحب نے اکیس کا لفظ فرمایا ہے۔ یعنی تمہاری اس تبلیغ کا وقت اکیس تک ہو گا۔ چنانچہ واقعات کو دیکھنے سے اس خواب کی سچائی بڑے زور سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ کا اشتہار بیعت جمادی الاول ۱۳۰۶ھ میں شائع ہوا ہے۔ اور اکیسویں سال اسی مہینے میں آپ کا انتقال ہوا۔ اور اسی طرح ۱۸۸۸ء میں اشتہار بیعت نکلا۔ اور ۱۹۰۸ء میں وفات ہوئی۔ جس سے اس خواب کی تعبیر خوب واضح ہو گئی۔ کہ اس خواب سے یہ مراد تھی کہ اکیسویں سال آپ کی وفات ہو گی۔ پس ہر ایک عقلمند اور دانا اس بات سے نصیحت پکڑ سکتا ہے۔ اور دیکھ سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا کلام اس

کے مسیح موعودؑ پر نازل ہو کر کس شان و شوکت سے پورا ہؤا۔ (کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ یہ خواب آج بنائی گئی ہے بلکہ آج سے اڑہائی سال پہلے بدر 'الحکم' اور ریویو آف ریلیجنز مؤرخہ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۰۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اور پھر اسی کے ساتھ کی ایک خواب انہیں دنوں کی ہے۔ جس سے اس خواب کے معنی اور بھی کھل جاتے ہیں۔ اور وہ اسی نمبر ریویو آف ریلیجنز میں اور دیگر اخباروں میں شائع ہو چکی ہے۔ کہ "ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا ہے۔ پانی صرف دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے ☆ لیکن بہت مصفّٰی اور مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام تھا۔ آب زندگی۔ (تذکرہ صفحہ ۵۷۳) اب دیکھنا چاہیئے کہ ۱۹۰۵ء کے آخر میں یہ الہام اور رؤیا ہوئے ہیں۔ اور اس وقت بتایا گیا ہے کہ تیری زندگی کے صرف دو تین سال رہ گئے ہیں۔ چنانچہ پورے اڑھائی سال کے بعد حضرت اقدسؑ نے وفات پائی۔ اور یہ اس لئے ہؤا کہ خدا تعالیٰ کی باتیں پوری ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔ اور وہ جو اس کے کلام کی مخالفت کرتے ہیں۔ وہ خود ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ اور دین و دنیا میں ان کی رسوائی ہوتی ہے۔ اور وہ اس وقت تک نہیں مرتے جب تک کہ خدا ان پر اپنی حجت قائم نہ کر دے اور دنیا ان کی کذب بیانی پر آگاہ نہ ہو جائے۔ جس طرح نبی اپنی نیکی اور تقویٰ اور خدا کی راہ میں قربان ہونے سے اس کی عزت کو دنیا میں دوبارہ قائم کرتے ہیں یہ لوگ بھی اپنی حد سے بڑھی ہوئی شرارت اور بد زبانی اور حق کی مخالفت کی وجہ سے مورد عتاب الٰہی بن کر اس کے جلال کے دنیا میں پھیلانے والے ہوتے ہیں۔ یہی لوگ سب سے زیادہ نبیوں کے نام کو مٹانا چاہتے ہیں۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ ان سے زیادہ ان کے نام کا روشن کرنے والا کوئی اور بھی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو ہمیشہ خدا کے قائم کئے ہوئے سلسلوں کی تباہی کے لئے دن رات لگے رہتے ہیں۔ مگر نہیں کہہ سکتے کہ ان سلسلوں کی ترقی کے لئے ان سے زیادہ کوئی اور بھی کوشاں ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں گمراہی اور ضلالت پھیلائیں۔ مگر خدا انہی کے منہ سے نکلی ہوئی باتوں سے ان سعید روحوں کو جو محبت الٰہی کے لئے دیوانوں کی طرح ہوتی ہیں ہدایت دیتا ہے۔ اور ان کے دلوں میں ایک ایسی تڑپ پیدا کر دیتا ہے کہ خدا کے رسولوں کے دیکھنے کے بغیر ان کو چین نہیں آتا۔ اور جب وہ ان ہدایت کے سرچشموں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں تو پھر کوئی دنیوی طاقت ان کو ان کی اطاعت سے نہیں روک سکتی۔ الغرض خدا تعالیٰ اپنے پاک بندوں پر اس لئے نشانات کی بارش برساتا ہے کہ تا

☆ "باقی رہ گیا ہے" ثابت کرتا ہے کہ پہلے زیادہ تھا۔ مگر اب خرچ ہو کر دو تین گھونٹ رہ گیا ہے۔ یعنی دو تین سال آپ کی زندگی ہے۔ اور پھر وفات ہوگی

ان کے ذریعہ خدا کا وجود دنیا پر ظاہر ہو جائے اور لوگ ان رسولوں کی سچائی میں شک نہ لائیں- چنانچہ اسی قدیم سنت اللہ کے مطابق ہمارے حضرت اقدسؑ سے بھی خداوند تعالیٰ کا ایسا ہی سلوک ہؤا- اور صرف ان کی زندگی میں ہی ان کے ہاتھ پر نشانات نہیں دکھائے گئے بلکہ ان کی وفات خود ایک نشان ہے مگر اس کے لئے جو آنکھیں رکھتا ہو- اور وفات کے بعد بھی بہت سے ایسے نشانات ہیں جو دکھائے جاویں گے اور جن کی اطلاع خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کے ذریعہ سے ایک مدت پہلے ہم کو دیدی ہے- اور قطع نظر اور نشانات کے حضرتؑ کی وفات خود ایک ایسا زبردست نشان ہے کہ ایک صاحب بصیرت کے ماننے کے لئے کافی ہے- کیونکہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص اپنے مرنے سے تین برس پہلے اپنی وصیت شائع کردے- اور اس میں لکھ دے کہ عنقریب اب میں فوت ہونے والا ہوں- اور میری وفات اچانک ہوگی- اور اڑہائی تین سال کے بعد جبکہ میری تبلیغ کا اکیسواں سال ہوگا اس وقت یہ واقعہ ہوگا- اور پھر انہیں خوابوں اور الہاموں پر ہی حصر نہیں بلکہ اور بیسیوں الہام ہیں جن سے تاریخ وفات اور مہینہ تک بھی ثابت ہوتا ہے-

چنانچہ ایک الہام ہے- علم الدرمان ۲۲۳ (تذکرہ صفحہ ۶۷۷) اور یہ الہام ۱۵- اکتوبر ۱۹۰۶ء کا ہے- علم عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں جاننا- اور درمان ایک فارسی لفظ ہے جس کے معنی ہیں علاج- یعنی علاج کا علم ۱۵ اکتوبر سے ۲۲۳ دن بعد ہو جائے گا- اب دیکھنا چاہیئے کہ ۱۵- اکتوبر سے دوسو تیئسواں دن کون سا ہے- سو حساب لگا کر دیکھو کہ وہ دن ۲۵- مئی ۱۹۰۸ء ہے- چنانچہ اس الہام کے مطابق حضرت اقدسؑ ۲۶ مئی کو فوت ہوئے- اب ایک اور غور طلب امر ہے جس کا شاید مخالف کم فہمی سے انکار کردے- اور وہ یہ کہ الہام تو ہؤا ہے ۱۹۰۶ء کو اور فوت ہوئے ہیں ۱۹۰۸ء میں تو یہ ایک سال اور ۲۲۳ دن ہوئے- سو یاد رہے کہ اس کی دو وجوہات ہیں- اول تو یہ کہ اس کے ساتھ ہی الہام ہے کہ اِنَّ الْمَنَایَا لَا تَطِیْشُ سِهَامُهَا (تذکرہ صفحہ ۶۷۸) یعنی موت کے تیر خطا نہیں جاتے- (اس سے بھی ثابت ہے کہ یہ ۲۲۳ والا الہام موت کے متعلق ہے) اور پھر اس کے بعد الہام ہؤا- اِنَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ- نَزِیْدُ عُمُرَكَ (تذکرہ صفحہ ۶۷۹) (دیکھو ریویو آف ریلیجنز مؤرخہ ۲۰ نومبر ۱۹۰۶ء) یعنی تیری وفات تو ۱۹۰۷ء میں ہی تھی مگر ہم نے اس عمر کو بڑھا دیا- چنانچہ پورے ایک سال تک عمر میں ترقی دی گئی- اور ایک سال کے بعد وہ حساب شروع ہؤا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرتؑ کی وفات ۲۶ مئی کو تھی- اور اگر آپ ۱۹۰۷ء میں فوت ہوجاتے تو ایک تو چند معاندین سلسلہ شور مچادیتے کہ ہماری پیشگوئی کی معیاد کے اندر فوت ہوئے- اور ایک یہ کہ اس وقت ۲۷ تاریخ کو

آپ کی وفات ٹھہرتی- اس لئے ضروری تھا کہ آپ کی وفات لیپ ایر (یعنی جس سال میں فروری کے ۲۹ دن ہوں) میں ہوتی تاکہ پورے ۲۲۳ دن کے بعد ۲۶/ مئی کو فوت ہوں- پس صاف ثابت ہوتا ہے- کہ آپ کی وفات ۱۹۰۸ء میں ہونی چاہیئے تھی جو کہ لیپ ایر ہے نہ کہ ۱۹۰۷ء میں جس میں فروری کے ۲۸ دن ہوتے ہیں- اور ۲۲۳ دن ۲۶/ مئی تک ختم نہیں ہوتے- بلکہ ۲۷ کو ختم ہوتے ہیں- اب غور کرنا چاہیئے کہ یہ پیشگوئی کیسی کھلی اور بیّن ہے- ہاں اگر مخالف اب بھی انکار کریں تو سوائے حضرت مسیح موعودؑ کے اس الہام کے کہ "اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ" ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں- ایک نبی آیا اور ان کے لئے رات اور دن غم کھا کر اس دنیا سے اٹھ گیا اور یہ لوگ اب تک اس سے انکار کرتے ہیں- ہماری خدا سے یہ خواہش نہیں کہ یہ مخالف ہلاک ہوں بلکہ دل ان کے لئے درد محسوس کرتا ہے- اور کڑھتا ہے- اور ایک تڑپ ہے کہ خدا ان کو ہدایت دے اور اپنے نبی کی شناخت دے- اگرچہ یہ لوگ ہم پر طعن و تشنیع کرتے ہیں- مگر ہم ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں کہ اے خدائے قادر تو ہمارے دلوں کو جانتا ہے اور تجھے علم ہے کہ ہمارے دل ان گم گشتہ راہوں کے لئے کیسی تکلیف پاتے ہیں- پس اے عالم الغیب والشھادۃ ہمارے دکھوں اور تکلیف کو دیکھ ہم پر رحم کر اور ان غموں سے ہم کو چھڑا اور ہمارے بھائیوں کو ہدایت اور نور کا راستہ جو تیرا نبی ہمارے لئے کھول گیا ہے بتا- اور انہیں اس کی شناخت کی توفیق عطا کر- ہاں وہ جو شرارت میں حد سے بڑھتے ہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت کی راہ سے روکتے ہیں اور ہنسی اور ٹھٹھا کرتے ہیں ان کی حالت کو دیکھ کر بے اختیار ان کی ہلاکت کی دعا نکلتی ہے- نہ اس لئے کہ ہمیں ان سے کچھ عداوت ہے بلکہ اس لئے کہ ان کی وجہ سے دوسرے لوگ اس چشمہ معرفت سے سیراب ہونے سے محروم نہ رہ جائیں اور شدت پیاس سے ہلاک نہ ہو جائیں جو کہ خدا تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی حالت کی طرح ان کی حالتوں پر رحم کھا کر اپنے نبی کے ذریعہ سے ان پر ظاہر کیا ہے-

پھر ایک الہام ۲۸/ ستمبر ۱۸۹۴ء کا ہے جو مدت سے دنیا میں شائع ہو چکا ہے- اور وہ "داغ ہجرت" (تذکرہ صفحہ ۲۷۷) ہے- اب غور کرنے والے دیکھیں کہ ہجرت ہوئی تو کیسی ہوئی- فوت ہوئے تو کہاں لاہور میں جہاں اس واقعہ کے ہونے کا کسی کو وہم تک نہ تھا- اگرچہ خدا تعالیٰ اپنی وحی میں صاف طور پر لاہور کا ذکر بھی کر چکا تھا- غرض اس دنیا سے ہجرت ایسے وقت میں ہوئی جب اپنے وطن سے بھی دور تھے اب اس سے زیادہ ہجرت کیا ہو سکتی ہے- پھر بیس فروری ۱۹۰۷ء کو الہام ہؤا کہ افسوس ناک خبر آئی اور انتقال ذہن لاہور کی طرف ہؤا- چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا- پھر ۲/ مارچ

۷ ۱۹۰ء کو الہام ہوئے (ریویو جلد ۶ نمبر ۳) اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا - ہے تو بھاری - مگر خدائی امتحان کو قبول کر - يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ اللّٰهَ خَلَقَكُمْ - اے میرے اہل بیت خدا تمہیں شر سے محفوظ رکھے - اَنْتَ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْكَ - اَنْتَ الَّذِيْ طَارَ اِلَيَّ رُوْحُهٗ - رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ - اَعَجِبْتُمْ اَنْ تَمُوْتُوْا - ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لائے ہیں ☆ (الہامات ۲-۷ مارچ ۱۹۰۷ء تذکرہ ۷۰۰-۷۰۱) اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ سب الہام ایک وقت اور ایک دن کے ہیں - اور اکٹھے ہوئے ہیں - اور ان سے صاف طور سے حضرتؑ کی وفات نکلتی ہے - اور ان الہاموں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے - کہ حضرت اقدسؑ قادیان سے کہیں باہر فوت ہوں گے اور آپ کی لاش کفن میں لپیٹ کر یہاں لائی جائے گی -

پھر ۲/ دسمبر ۱۹۰۷ء کو یہ الہام ہوا ہے کہ "بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید" - ستائیس کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) اَللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى "خوشیاں منائیں گے" - (الہام ۲۰ دسمبر ۱۹۰۷ء تذکرہ ۷۴۵) "وقت رسید" - اب اگر ان الہاموں کو ملا کر دیکھا جاوے - تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ عنقریب آپ کی وفات ہونے والی ہے - اور ۲۷ تاریخ سے اس واقعہ کا کچھ تعلق ہوگا - چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ ستائیس کو قادیان میں دفن کئے گئے - اور ساتھ ہی اَللّٰهُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى کا الہام ہے - یعنی زندہ تو صرف خدا رہتا ہے - ورنہ سب نے آخر کار مرنا ہے اور کوئی نہیں جو پیدا ہوا اور مرے نہیں - پھر آگے ہے کہ "خوشیاں منائیں گے" یعنی مخالفان سلسلہ اس دن بہت ہی خوش ہوں گے - اور پھر دوبارہ وضاحت سے بیان فرمایا کہ "وقت رسید" یعنی تیرا وقت آپہنچا -

پھر ۲۶/ اپریل ۱۹۰۸ء کو الہام ہوا - کہ "مباش ایمن از بازئی روزگار" - چنانچہ اگلے مہینہ اسی وقت اور اسی تاریخ کو حضرت اقدسؑ بیمار ہوئے - پھر لاہور جاکر الہام ہوا - کہ "مکن تکیہ بر عمر ناپائیدار" * (تذکرہ صفحہ ۷۵۶) پھر الہام ہوا اَلرَّحِيْلُ ثُمَّ الرَّحِيْلُ - (تذکرہ صفحہ ۷۵۶) یہ بھی اسی بارے میں تھا - پھر ۷ مارچ ۱۹۰۸ء کو الہام ہوا - "ماتم کدہ" (تذکرہ صفحہ ۷۵۲) - اور پھر دیکھا کہ "جنازہ آتا ہے" - اس سے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ آپؑ کہیں باہر وفات پائیں گے - اب کیا کوئی عقلمند انسان اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ حضرتؑ کی وفات سنت انبیاءؑ کے طور پر ہوئی اور خدا کے وجود کے لئے ایک بیّن شہادت کے طور پر ہوئی - چنانچہ حضرت صاحب کا اس بارے میں ایک الہام

☆ اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ قادیان کے باہر فوت ہوں گے - جیسا کہ واقعہ ہوا - منہ

* اس الہام میں سنہ وفات بتایا گیا ہے - یعنی ۱۳۲۶ ہجری -

تھا جو کہ لفظ بہ لفظ پورا ہؤا- اور وہ یہ ہے- قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ چنانچہ اس کے مطابق حضرت اقدسؑ کی وفات ایک نشان کے طور پر ہوئی- اور خدا کے وجود کو ثابت کرنے والی ہوئی- پھر ایک پیشگوئی ہے جس میں موت کی پیشگوئی بھی ہے اور جماعت کو بھی تسلی ہے کہ موت قریب- اِنَّ اللّٰہَ یَحْمِلُ کُلَّ حِمْلٍ یعنی تیری موت قریب ہے- تو اپنے بعد جماعت کا فکر نہ کر کیونکہ خداوند تعالیٰ وہ تمام بوجھ خود اٹھائے گا- اس کے ساتھ اور بھی الہامات ہیں- جو آپ کی موت کو ظاہر کرتے ہیں- مگر بوجہ طوالت کے میں انکو یہاں درج نہیں کرتا-

اب دیکھنا چاہیئے کہ حضرت نے آج سے اڑھائی برس پہلے اپنی وصیت شائع کردی تھی- اور اس میں صاف طور پر لکھ دیا تھا کہ میرا وقت قریب آگیا ہے اور عنقریب میں تم سے جدا ہو جاؤں گا اور خدا کی تقدیر پوری ہونے والی ہے اور میں انبیاء کی سنت کے مطابق اس طرح فوت ہوں گا کہ لوگ سمجھیں گے کہ ناکامی رہی- مگر اصل میں ناکامی نہ ہوگی- اور خدا اپنی پوری طاقت اور جلال کے ساتھ میرا نام روشن کرے گا- اور دنیا پر میری سچائی کو ظاہر کردے گا- وہ لوگ جو اس وقت زندہ رہیں گے وہ میری سچائی کو آنکھوں سے دیکھیں گے اور یہ وعدہ نہیں ٹلے گا جب تک خون کی ندیاں نہ بہادی جائیں- اور عذاب الٰہی اس وقت تک نازل ہوتے رہیں گے اور مصیبتیں دنیا کو نہیں چھوڑیں گی جب تک کہ خدا کا نام دنیا پر روشن نہ ہو اور جب تک کہ وہ لوگ جو رات دن گناہوں میں پڑے رہتے ہیں اپنے افعال و اقوال سے باز نہ آئیں اور خدا کے لئے اپنے نفس کی قربانی نہ کریں اور خدا کے ارادہ کو اپنے لئے قبول نہ کریں اور میری سچائی پر ایمان نہ لائیں- کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا کے برگزیدہ نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو تو مردہ خیال کیا جائے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اب تک آسمان پر زندہ بہ جسم عنصری مانا جائے- یہ ایک ایسا گناہ ہے اور ہمارے پاک نبی ﷺ کی اس قدر ہتک ہے کہ خداوند تعالیٰ کی غیرت اس کو برداشت نہیں کرسکتی اور ضرور ہے کہ وہ دنیا سے اس شرک کی بیخ کنی کرے-

اور پھر متواتر وحی سے اس بات کی تائید ہوتی رہی اور خداوند تعالیٰ نے بار بار آنے والے واقعہ کی خبردی اور اس طرح کھلم کھلا اعلان کیا گیا کہ دوست تو دوست دشمنوں کو بھی اس سے انکار نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے تاریخ اور سال تک بھی مقرر کردیا- چنانچہ آبِ زندگی والی خواب میں بتادیا کہ دو تین سال کے اندر اندر ہی آپؑ وفات پائیں گے اور ۲۲۳ دن والی رؤیا میں ۲۶/ مئی اور لیپ ایر بتادیا- یعنی ۱۹۰۸ء میں- پس اب سوائے کسی بدبخت اور کور باطن انسان کے

کس کو انکار ہو سکتا ہے اور کونسی سعید روح ہے جو باوجود ایسے ایسے کھلے نشانوں اور زبردست تائیدات الٰہیہ کے اس خدا کے رسولؑ کا انکار کرے جو دنیا میں اپنا کام پورا کر کے اپنے بھیجنے والے کی طرف چلا گیا۔

مگر میں دیکھتا ہوں کہ باوجود اس کے کہ حضرتؑ کی وفات خود ان کی سچائی کا ایک زبردست نشان ہے اور خدا تعالیٰ کی ہستی اس سے ثابت ہوتی ہے اور اس کی طاقت اور جبروت ظاہر ہوتا ہے پھر بھی بعض کور باطن اور ضدّ و تعصب سے بھرے ہوئے اور دروغ و کذب بیانی کو شیر مادر سمجھنے والے اس کو اپنی سچائی کا نشان قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ کی وفات ہماری پیشگوئی کے مطابق ہوئی۔ اور بعض ان میں ایسے ہیں جو اس کو مباہلہ کی وجہ سے قرار دیتے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے کہ خدا کے رسولوں اور برگزیدوں کی مخالفت کا انجام اچھا نہیں ہوتا اور وہ درخت جو خدا لگانا چاہتا ہے کوئی نہیں جو اس کو کاٹ سکے۔ کیا ان میں اتنی عقل نہیں اور وہ اس قدر شعور بھی نہیں رکھتے کہ ایک معمولی کسان درخت لگاتے ہوئے اس بات کا انتظام کر لیتا ہے کہ کوئی پرند چرند یا آدمی اس کو ضرر نہ پہنچا سکے۔ اور اس کے لئے وہ پہلے سے ہی ایسی تدابیر عمل میں لاتا ہے کہ جس سے وہ پودا ان تمام حوادث زمانہ سے بچ رہے جو ممکن ہے کہ اس کو مضبوط جڑ پکڑنے تک پیش آئیں۔ تو خداوند تعالیٰ نے جو ہر ایک بھید کا جاننے والا ہے اور تمام زمانوں کا علم رکھتا ہے اور ہر ایک بات پر قادر ہے۔ جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور اس کے راستہ میں کوئی شخص رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ اور اس کے ارادہ کے برخلاف خواہ تمام مخلوقات عالم مل کر کرنا چاہے تو بھی اس کے برخلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ اور اگر وہ چاہے تو ایک دم میں تمام مخلوقات عالم کو تباہ کر دے۔ کیونکہ وہ خالق ہے تمام چیزوں کا اور قادر ہے ہر ایک بات پر اور کوئی نہیں جو اس کے حکم کے برخلاف دم بھی مار سکے کیونکر اس درخت کو جو وہ لگانا چاہتا ہے خالی چھوڑ دیا اور اس کے لئے حفاظت کے سامان مقرر نہیں کئے اور درندوں اور پرندوں کو اجازت دے دی کہ جس طرح چاہو اس درخت کو تباہ کر دو۔ مگر میں ان لوگوں کو جو ایسا خیال کرتے ہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ کوئی لغو کام نہیں کرتا۔ اور جب وہ دنیا میں ایک سلسلہ قائم کرنا چاہتا ہے اور اس طرح اپنے نام کی عزت جو بنی نوع انسان کے دلوں میں سے اٹھ چکی ہوتی ہے پھر دوبارہ بلند کرنا چاہتا ہے تو خواہ تمام دنیا اس سلسلہ کے برخلاف زور لگائے اور شیطان اپنی کل فوجوں کے ساتھ رحمانی لوگوں پر حملہ کرے اور اس وقت کے رسول کو خواہ کس قدر دکھ دیئے جائیں اور کیسی کیسی رکاوٹیں اس کے راستہ میں پیدا کی جائیں تو

بھی وہ اس کام کو کر کے چھوڑتا ہے۔ اور وہ جو اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں آخر ہلاک ہو جاتے ہیں اور ایک دنیا ان کی ذلت اور تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتی ہے۔ اور وہ ہمیشہ نصرت اور فتح کے شہزادے کہلاتے ہیں۔ اور ایک وقت مقررہ تک اپنا کام کر کے اور دنیا کو سیدھی راہ دکھا کر پھر اپنے بھیجنے والے کی طرف چلے جاتے ہیں اور ان کے پیچھے ان کے متبعین اس کام کو پورا کرتے ہیں۔ اور خدا کی نصرت ان کے شامل حال ہوتی ہے پس جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنی سنت قدیمہ کے ماتحت اس زمانے میں ایک نبی بھیجا تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ اس کو بغیر مدد کے چھوڑ دے اور اس کی جماعت کو تباہ ہونے دے۔ اگر وہ نبی اب ان میں نہیں رہا اور اپنا کام ختم کر کے اس دنیا سے عالم جاودان کی طرف چلا گیا ہے تو کیا ہوا۔ خداوند تعالیٰ جو حی و قیوم ہے ان کو ضائع ہونے نہیں دے گا۔ کیونکہ وہ اسی کا لگایا ہوا پودا ہے۔ تمام دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گی اور اس پر ثابت ہو جائے گا کہ خدا ہمیشہ سچے کا حامی ہوتا ہے۔ پس وہ مدعی جو اس وقت حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر شور مچاتے اور اس کو اپنی کرامت بتاتے ہیں دیکھ لیں گے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ ان سے کیا سلوک کرتا ہے۔ کیا وہ سچوں کی طرح خدا کی طرف سے نصرت و مدد پاتے ہیں یا ہلاکت کا منہ دیکھتے ہیں۔ مگر وہ لوگ یاد رکھیں کہ جھوٹا کبھی فروغ نہیں پا سکتا۔ اور آج اگر وہ سلامت ہے تو ضرور ہے کہ وہ کل ہلاک کیا جائے۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ خدا تعالیٰ جھوٹے کو بھی وہی مدد اور نصرت دے جو سچوں کو دیتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو دنیا تباہ اور برباد ہو جائے اور خدا کا نام دنیا سے مٹ جائے اور کوئی نہ ہو جو کہہ سکے کہ سچائی اس طرف ہے اور خدا کے نبیوں کی پہچان کا کوئی طریقہ باقی نہ رہے۔ پس میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ سچے اور جھوٹے کی بڑی شناخت یہی ہے کہ سچے کے ساتھ نصرت الٰہی اور مدد خداوندی شامل ہوتی ہے۔ مگر جھوٹا باوجود اس کے کہ وہ اپنا تمام زور خرچ کرے اور تمام شیطانی فوجیں اس کے ساتھ ہوں وہ کبھی وہ نصرت اور فتح اور مقبولیت نہیں حاصل کر سکتا جو سچے کو خدا تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوتی ہے۔ پس اے لوگو! تم نے حضرت مسیحؑ کی زندگی کو اور ان کے حالات کو دیکھ لیا ہے اور وہ مدد اور نصرت جو خدا تعالیٰ نے ان کو بخشی ہے اس کا مشاہدہ کر لیا ہے اب کچھ مدت انتظار کرو اور ان جھوٹے مدعیوں کی زندگی کو بھی دیکھو۔ اور کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرے گا کہ یہ لوگ تمہاری آنکھ کے سامنے ہلاک ہو جائیں گے۔ اور ایسی ذلت ان کے حصہ میں آئے گی۔ کہ ان کے طرف دار حضرت مسیح موعودؑ کے مقابلہ میں ان کا نام لیتے ہوئے شرمائیں گے اور یہ ایک ایسا نشان ہو گا کہ اس کے بعد حضرت مسیح موعودؑ کے لئے کسی اور نشان کی ضرورت نہیں

ہو گی۔اور تمام طالب حق اور سچائی کے ڈھونڈنے والے اپنی آنکھوں کے سامنے ہدایت اور نور کا راستہ کھلا ہؤا دیکھیں گے۔اور بغیر حضرت مسیح موعودؑ کے قبول کرنے کے ان کو اور کوئی چارہ نظر نہیں آئے گا۔ پس ان مدعیوں کے بر خلاف ہم کو کچھ بہت بڑے دلائل لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ خود سچائی اور جھوٹ میں فرق کر دکھائے گا۔مگر اس لئے کہ ان کے بے ہودہ فخر اور جھوٹے دعووں کو سن کر ان پڑھ اور جاہل لوگ دھوکہ میں نہ آجائیں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے۔چنانچہ سب سے پہلے میں ان دعویداروں میں سے میاں عبدالحکیم خاں مرتد کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کو دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ میری پیشگوئی کے مطابق فوت ہوئے۔

باب اوّل

اے ناظرین! میں اس شخص کا رد لکھنے سے پہلے آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ایک اول درجہ کا بد زبان آدمی ہے۔ اور اپنی تحریر اور تقریر کے وقت تہذیب و شائستگی کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ اور بات بات میں گالیاں نکالنا اس کا کام ہے۔ اور جب کسی مخالف کا ذکر کرتا ہے تو حد سے بڑھ جاتا ہے اور غصہ اس پر قبضہ کر لیتا ہے اور عقل اس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اور یہ وہ شخص ہے جو کہ حضرت مسیح موعودؑ کا بیس سال تک مرید رہا ہے۔ اور اس کا یہ دعویٰ رہا ہے کہ مرزا صاحب کی تائید میں مجھے الہام ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ اس بات کو شائع بھی کر چکا ہے کہ ایک شخص میرے رشتہ داروں میں سے جو مرزا صاحب کا مخالف تھا اس کی نسبت مجھے خبر دی گئی کہ اگر یہ مخالفت سے باز نہ آئے گا تو طاعون سے ہلاک ہو گا۔ چنانچہ بعد میں ایسا ہی ظہور میں آیا۔ اور باوجود الہاموں اور خوابوں کے جو کہ یہ ان کی تائید میں پیش کرتا تھا صرف اس بات سے حضرت صاحب کا مخالف ہو گیا کہ اس نے ایک دفعہ آپ کو خط لکھا اور اس میں تحریر کیا کہ ایک شخص جو نبی کریمؐ کو نہیں مانتا مگر اعمال صالحہ بجالاتا ہے اور خدا کی توحید کا قائل ہے وہ بخشا جائے گا۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا کہ یہ عقیدہ بالکل فاسد ہے۔ خدا تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ دنیا پر حجت قائم کر دی ہے اور اب جو کوئی ان پر ایمان نہ لائے وہ بخشا نہیں جا سکتا کیونکہ اعمال صالحہ بغیر ان کی اطاعت کے نہیں ہو سکتے۔ اس پر یہ شخص بگڑ بیٹھا اور حد سے زیادہ بدظنی کرنے لگا اور بد زبانی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا اور اس خدا کے مرسل کو جو اس کے جلال کو قائم کرنے آیا تھا اس قدر گالیاں دیں کہ کوئی زبان نہیں جو ان کا اعادہ کر سکے اور کوئی قلم نہیں جو ان کو دوبارہ تحریر میں لا سکے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ ایک پیشگوئی شائع کی کہ میں صادق ہوں اور حضرت مسیح موعودؑ نعوذ باللہ جھوٹے ہیں اور جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے گا۔ اور اس کی میعاد تین سال بتائی۔

ناظرین غور کریں کہ اس شخص نے کس قدر جھوٹ اور فریب سے کام لیا ہے۔ کیونکہ حضرت صاحب شائع کر چکے تھے کہ میری زندگی کے اب دو یا تین سال باقی رہ گئے ہیں اور عنقریب میں دنیا کو چھوڑنے والا ہوں پس اس نے اس بات سے فائدہ اٹھایا اور اشتہار دے دیا کہ مرزا صاحب تین سال کے اندر فوت ہو جائیں گے۔ پس کیا کوئی انصاف پسند طبیعت اس بات کی اجازت دے سکتی ہے کہ ایسے شخص کے مقابلہ میں جو بڑے زور سے پیشگوئی کر چکا ہو کہ دو تین سال کے اندر ہی فوت ہو جاؤں گا اور خدا نے مجھے اس کے متعلق بار بار وحی کی ہے اور اس قدر تواتر سے یہ وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے کہ میری زندگی مجھ پر سرد ہو گئی ہے۔ کوئی شخص پیشگوئی کرے کہ یہ شخص تین سال کے اندر فوت ہو جائے گا اور یہ صادق اور کاذب کا ایک نشان ہو گا۔ اور اگر ایسا ہی واقعہ ہو جیسا کہ میں کہتا ہوں تو اس سے میری سچائی ثابت ہو گی۔ پس کیا وہ شخص جو اس قدر دغا بازی سے کام لے اور دنیا کو دھوکہ دینا چاہے خدا کا نبی کہلا سکتا ہے؟

ناظرین خود غور کر سکتے ہیں کہ اگر ایک مجلس میں زید اٹھ کر کہے کہ میرے گھر میں بچہ پیدا ہونے والا ہے اور چند ماہ باقی رہ گئے ہیں۔ اور یہ بات سن کر بکر اٹھے اور قسم کھا کر کہے کہ میں خدا کا نبی ہوں اور میری سچائی کا یہ نشان ہے کہ زید کے ہاں حمل ہے تو لوگ اس کو سوائے سودائی یا جھوٹے کے اور کیا سمجھیں گے۔ جب مرزا صاحب نے اپنی موت کی پہلے سے خبر دیدی تھی اور جماعت کو اور دوسرے لوگوں کو اپنی وصیت سے اطلاع دے دی تھی۔ اور ان کے الہاموں سے صاف ثابت ہوتا تھا کہ تین برس کے اندر ۲۶/ مئی کو وہ فوت ہو جائیں گے۔ تو پھر عبدالحکیم خاں کا ان کی موت کی نسبت پیشگوئی کرنا اگر ایک صریح مکر اور فریب یا شیطانی الہام نہیں تو اور کیا ہے کیونکہ اگر مرزا صاحب نعوذ باللہ جھوٹے تھے تو ان کی موت کا الہام پہلے عبدالحکیم کو ہونا چاہیئے تھا کیونکہ اس کو خبر دینے والا خدا تھا اور مرزا صاحب کو خبر دینے والا (نعوذ باللہ) شیطان تھا۔ مگر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت اقدس ؑ کو تو (نعوذ باللہ) شیطان نے پہلے خبر دے دی اور خداتعالیٰ نے عبدالحکیم کو اس کے بعد خبر دی۔ گویا کہ ان کی وفات کا پہلے تو شیطان کو علم ہؤا اور پھر اس سے خبر پا کر حضرت اقدس ؑ کو علم ہؤا۔ اور ان سے عبدالحکیم کے خدا نے سن کر عبدالحکیم کو خبر دی۔ (نعوذ باللہ من ہذا) اور اس بات کو تسلیم کر کے ماننا پڑے گا کہ عبدالحکیم کا خدا ایک شیطان سے بھی کم علم رکھنے والا ہے جو کہ خداتعالیٰ کی ہستی پر ایک ایسا گندہ اعتراض ہے کہ اس کو ماننے والا کبھی مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ اور ممکن نہیں کہ اس کا ایمان خدا پر قائم رہ سکے اور اگر آج نہیں تو کل ضرور یہ شخص

دہریہ ہو جائے گا- پس چاہیئے کہ عبدالحکیم خاں اس خیال سے توبہ کرے- کیونکہ ہمارا خدا بڑا غیور خدا ہے- وہ اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی پاک ذات پر ایسا گندہ اعتراض کیا جائے اور وہ جو ایسا خیال رکھتا ہے ضرور ہے کہ ہلاک کیا جائے اور تباہ کیا جائے اور اس کی موت ایسی ذلت سے ہو کہ آئندہ آنے والی نسلیں اس سے عبرت پکڑیں- پس اگر اس دلیل پر غور کیا جائے تو ایک عقلمند انسان اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ کون حق پر ہے اور کس کے حصہ میں جھوٹ کی نجاست آئی ہے- اور وہ کون ہے جس سے خدا کلام کرتا اور کس کے لئے شیطان نے اپنا دام تزویر پھیلایا ہوا ہے-

اب میں اس بات کے ثابت کرنے کے لئے چند دلائل لکھتا ہوں کہ میاں عبدالحکیم خاں بالکل حق سے دور ہیں- اور ان کا ہاتھ سچائی کے دامن کو چھو بھی نہیں گیا- اور وہ ایک اندھے کی طرح ہیں جو طوفان باد و باران کے وقت سجاکھوں کو اپنی طرف بلائیں اور کہیں کہ آؤ میں تمہاری راہنمائی کروں- اور اس پیاسے کی طرح ہیں جس کی شدت پیاس کی وجہ سے جان لبوں پر آرہی ہو اور وہ ایک ایسے شخص کو جو کہ ایک سرد اور شیریں چشمہ کے کنارے پر بیٹھا ہؤا اپنی اور اپنے ساتھیوں کی پیاس بجھا رہا ہو بلائے اور وعدہ دے کہ آؤ میں تمہیں پیاس سے نجات دلاؤں- خواہ وہ افتراء سے کام لیتے ہیں یا ان کو شیطانی الہام ہوتے ہیں بہرحال وہ باوجود ضلالت میں گرے ہوئے ہونے کے احمدی جماعت کو ہدایت دینے کے لئے بلاتے ہیں- اول دلیل جو ان کے مفتری ہونے کی ہے وہ تو میں اوپر لکھ آیا ہوں- مگر ناظرین کی آسانی کے لئے پھر دوبارہ لکھتا ہوں-

دلیل اول تو میاں عبدالحکیم خاں کے جھوٹے ہونے کی یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے صاف طور سے اپنی وفات کی نسبت آج سے تین سال پہلے ہی پیشگوئی کی ہوئی تھی اور نہ صرف معمولی طور سے اس کا اعلان کیا تھا بلکہ کئی ہزار کی تعداد میں اشتہار الوصیت جس میں مفصل طور سے اس بات کو لکھا تھا کہ اب میں فوت ہونے والا ہوں شائع کیا تھا کہ میری وفات کی نسبت اس زور سے اور اس تواتر سے وحی الٰہی نازل ہو رہی ہے کہ میری زندگی میرے لئے سرد ہو گئی ہے- اور جماعت کو نصیحت کی تھی کہ میرے بعد ان اصولوں پر کاربند ہونا اور ان باتوں پر عمل کرنا کہ وہ کام جو خدا نے کرنا چاہا ہے تمہارے ہی ہاتھوں سے پورا ہو اور یہ بھی لکھا تھا کہ میری وفات اس طرح ہو گی کہ لوگ سمجھیں گے کہ ناکامی ہوئی مگر اصل میں وہ کامیابی ہوگی- کیونکہ خدا کی سنت ہمیشہ سے یہی چلی آئی ہے کہ نبی روحانیت کا بیج بو کر چلا جاتا ہے اور اس کے بعد وہ پھولتا پھلتا ہے- اور جب تک وہ نبی

رہے اس وقت تک سلسلہ کو کامل ترقی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایسا ہی نبیوں کے زمانہ میں ہؤا اور ہوتا ہے اور آئندہ ہوگا۔ مگر اس ظاہری حالت کو دیکھ کر نادان اور کم فہم لوگ (جیسے میاں عبدالحکیم) سمجھتے ہیں کہ یہ سلسلہ اب تباہ ہو جائے گا۔ اور وہ تمام کارروائی جو اب تک ہوئی برباد ہو جائے گی۔ مگر ایسا ہرگز نہیں ہوتا۔ اور وہ سلسلہ کچھ ابتلاء کے بعد اور بھی بڑھتا ہے اور ترقی کرتا ہے۔ اور پھر اس اشتہار الوصیت کے بعد کئی رنگوں پر آپ کی وفات کی خبر دی گئی اور یہاں تک اس کو کھول دیا گیا جیسا میں پیچھے ثابت کر آیا ہوں سال اور مہینہ اور تاریخ تک بتا دی گئی۔ پس ایسی صورت میں میاں عبدالحکیم کا یہ پیشگوئی کرنا کہ حضرت اقدسؑ تین سال کے اندر فوت ہو جائیں گے ایک ذلیل مکر اور جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے؟ ورنہ کم سے کم اس قدر تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ میاں عبدالحکیم پر شیطان نازل ہوتا ہے۔ اور جس طرح بعل کے نبیوں کی معرفت وہ خداوند تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں کی مخالفت کرتا تھا آج کل بھی اس نے ایسا ہی کام شروع کیا ہے۔ اور دنیا کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے سادہ لوح لوگوں کو پھسلانے کے لئے اس نے یہ کارروائی کی ہے۔ اور میاں عبدالحکیم کو بسبب اس کی دماغی بناوٹ اور اس بیجا غصہ اور غضب کے جو اس کی طبیعت پر حکمران ہے اس نے اپنے کام کے لئے چن لیا ہے۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ شیطان ایک شخص کو خبر دے اور رحمان اس خبر کے دنیا میں شائع ہو جانے کے بعد میاں عبدالحکیم پر اپنا کلام نازل کرے۔ اگر میاں عبدالحکیم کا خدا ایسا ہی طاقتور ہے تو شیطان اس سے زیادہ زبردست ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی شان سے بالکل بعید ہے کہ وہ شیطان کی بتائی ہوئی خبر سن کر اپنے بندہ کو اطلاع دے۔ بلکہ آج تک یہی ہوتا آیا ہے اور یہی ہوگا کہ پہلے خدا تعالیٰ اپنے ایک بندہ کو ایک خبر دیتا ہے۔ اور پھر اس سے سن کر شیطان اپنے دوستوں کو جا کر اطلاع دیتے ہیں۔ چنانچہ یہی معاملہ یہاں بھی ہؤا ہے۔ اور میاں عبدالحکیم کے الہام کرنے والے نے پہلے حضرت اقدسؑ کا الہام بدر، الحکم اور ریویو میں پڑھا اور پھر ان کے کان میں جا کر پھونک دیا۔ اور اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ عبدالحکیم نے اپنے رسالہ ذکر الحکیم نمبر ۴ میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی وصیت شائع کر دی ہے اور لکھ دیا ہے کہ میری وفات قریب ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالحکیم کو معلوم تھا کہ حضرتؑ نے اپنی وفات کی پیشگوئی کی ہے۔ چنانچہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے تو حضرت اقدسؑ نے خبر دی کہ میری وفات قریب ہے اور وہ دو تین سال کے اندر ہوگی۔ جیسا کہ میں ثابت کر آیا ہوں اس پر عبدالحکیم خاں نے اپنی پیشگوئی شائع کر دی کہ مجھے الہام ہؤا ہے کہ مرزا تین سال میں فوت ہو جائے

گا۔اس کے بعد حضرت اقدسؑ پر متواتر وحی ہوئی کہ بہت جلد تمہاری وفات ہونے والی ہے۔اس پر میاں عبدالحکیم نے ایک دوسری پیشگوئی شائع کردی جس میں چودہ ۱۴ ماہ میعاد مقرر کردی۔یعنی قریباً سال بھر پہلی پیشگوئی میں سے کم کردیا۔کیونکہ جب اس نے یہ پیشگوئی کی تھی۔تو اس وقت تین سال والی پیشگوئی میں سے قریباً آٹھ ماہ گذر چکے تھے۔پھر حضرت اقدسؑ کو کچھ ایسے الہام ہوئے۔تیری عمر بڑھادی گئی ہے۔اس پر آپ نے ایک اور الہام شائع کردیا۔کہ اگر زیادہ سے زیادہ مہلت ملی تو وہ تین سال والی پیشگوئی کے متعلق ہوگی۔پھر جب حضرت اقدسؑ کو موت کے الہام ہوئے اور بتایا گیا کہ اب تو بہت ہی قریب وقت آگیا ہے۔تو آپ کو جھٹ الہام ہؤا کہ مرزا ۲۱۔ساون مطابق ۴ اگست کو فوت ہوجائے گا۔چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اس مفتری کو ایسا پکڑا کہ سب کچھ کیا کرایا برباد ہوگیا اور اس کی کذب بیانی کو ایسا ظاہر کردیا کہ قیامت تک یہ سیاہی اس کے چہرے سے نہیں اتر سکتی۔کیونکہ باوجود اس کے کہ اس نے بڑے دعویٰ سے پیشگوئی کی تھی کہ عین ۲۱ ساون کو مرزا فوت ہوجائے گا۔حضرت اقدسؑ ۲۶/ مئی کو فوت ہوئے۔اور اس کو جھوٹا ثابت کرگئے۔پس اس شخص کا مفتری ہونا صاف ثابت ہے۔کیونکہ پہلے اپنی موت کی خبر حضرت اقدسؑ نے دی تھی۔اور پھر اس نے۔اور وہ بھی اس کی بتائی ہوئی خبر غلط نکلی کیونکہ اس نے تین سال کی میعاد فسخ کرکے ۴/ اگست کی تاریخ مقرر کردی تھی۔تو پھر ناظرین خود سمجھ سکتے ہیں کہ لعنت خدا کس پر پڑی۔مگر میاں عبدالحکیم کو کون سمجھائے۔ایک تو وہ حضرت صاحبؑ کی پیشگوئیوں سے مضمون اڑا کر اپنی پیشگوئی بنا کر شائع کردیتے ہیں۔یا یہ کہ ان کا الہام بھیجنے والا یہ کام کرتا ہے۔اور پھر دعویٰ اس بات کا کرتے ہیں کہ میں خدا کا رسول اور وقت کا مصلح ہوں۔تف ہے اس رسالت پر اور لعنت ہے اس اصلاح پر کہ اول تو چوری کرنی اور پھر شریفوں کے سامنے فخر کرنا۔مجھے افسوس تو اس بات پر آتا ہے کہ یہ شخص اتنا بھی نہیں سمجھتا کہ حضرت صاحبؑ کی وفات سے سچائی تو ان کی ظاہر ہوئی۔اور پیشگوئی تو ان کی پوری ہوئی۔پھر یہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے لگا۔کیا اس میں شرم و حیا کا اتنا مادہ بھی نہیں رہا کہ یہ اس بات کو سمجھ لے کہ حضرت اقدسؑ نے تو اس کی پیشگوئی کے وجود سے پہلے اپنی وفات کی خبر دی تھی؟ اور کیا اس میں اتنی بھی عقل نہیں رہی کہ یہ الوصیت کے الفاظ کو سمجھ سکے؟ اس کے وہ تمام دعاوی علوم و فنون کہاں گئے۔جب یہ اردو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا تو قرآن شریف کی تفسیر کیا لکھتا ہے جو غیر زبان میں ہے۔اب ناظرین غور کریں کہ الوصیت میں حضرت اقدسؑ نے اس کی پیشگوئی سے مدت پہلے اپنی وفات کی خبر دی تھی۔اور ایک الہام سے تین سال کی میعاد بھی مقرر کی گئی تھی۔جو

میں مضمون کے شروع میں لکھ آیا ہوں۔ تو اس کے بعد اس شخص کا کوئی پیشگوئی کرنا ایک اول درجہ کی حماقت، جہل، بیوقوفی اور نادانی نہیں تو اور کیا ہے۔ بلکہ ہمارا حق ہے کہ ہم اس کو اس کی چالاکی اور شرارت پر محمول کریں۔

دوسری دلیل بھی میں کسی قدر لکھ آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اس کو شیطانی الہام ہوتے ہیں۔ اور اس کے کئی ثبوت ہیں۔ اول یہ کہ اس نے خود اپنی تصانیف میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ میرے عمل بھی اچھے نہیں ہیں اور میں ایک بد عمل مؤمن ہوں۔ اور مجھے شیطانی الہام بھی ہوتے ہیں۔ پس جو شخص خود مانتا ہے کہ مجھ پر شیطان کا تصرف ہے۔ اس کے الہاموں کی نسبت اور زیادہ ثبوت دینے کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ جب ملہم خود اقراری ہے تو دوسرے کو کیا شک ہو سکتا ہے۔ مگر یہ بات جو اس نے لکھی ہے واقعی عجیب ہے کہ میں بد عمل مؤمن ہوں۔

تعجب ہے کہ آپ رحمۃ للعالمین بھی ہیں اور پھر ساتھ ہی نماز روزہ کے بھی پابند نہیں۔ افسوس اس شخص کو یہ بات لکھتے ہوئے اتنا شعور بھی نہیں آیا کہ جب لوگ اس رحمۃ للعالمین کو نماز روزہ کا پابند نہ دیکھیں گے تو نبی کریم ﷺ کی نسبت جن کے زمانہ کو تیرہ سو سال گزر گئے ہیں نعوذ باللہ کیا خیال کریں گے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اصل بات یہ تھی کہ آپ خود اس بات کے مقر ہیں کہ مجھ کو شیطانی الہامات ہوتے ہیں۔ اور خود آپ کے الہامات نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ آپ کو شیطانی الہامات بھی ہوتے ہیں اور رحمانی کوئی نہیں ہوتا۔ کیونکہ جو الہام ہوتا ہے وہ پہلے حضرت اقدس ؑ کو ہو چکا ہوتا ہے یا ایک واقعہ کے بعد اس کے مطابق آپ کو ایک الہام ہو جاتا ہے۔ اور اگر کوئی الہام ان دونوں باتوں سے الگ ہوتا ہے تو وہ اکثر بلکہ ہمیشہ جھوٹا نکلتا ہے۔ جیسا کہ حضرت صاحب کی وفات کی نسبت اس نے لکھا تھا۔ کہ ۲۱ ساون کو ہو گی۔ مگر وہ ۲۶ / مئی کو فوت ہوئے۔ اور پھر ایک اور ثبوت اس کے جھوٹے ہونے کا یہ ہے کہ خود اس کو اقرار ہے کہ مجھ کو رحمانی الہامات بھی ہوتے ہیں اور شیطانی بھی۔ پس کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ایک ایسے دل پر اپنا کلام نازل کرے جس پر پہلے سے شیطانی قبضہ ہے۔ کیا سیاہی اور سفیدی ایک جگہ اکٹھی ہو سکتی ہے؟ پاک اور ناپاک ملائے جا سکتے ہیں؟ ببول کو ممکن نہیں کہ انگور لگیں۔ اور گو خور مکھی کبھی بھی شہد کا چھتہ تیار نہیں کر سکتی۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ ایک ملہم شیطانی پر خدا کا کلام نازل ہو۔ اور وہ اس کو رحمۃ للعالمین قرار دے جس کلام کی نسبت خدا تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے کہ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ (الواقعہ: ۸۰) کیا وہ نجس دل پر نازل ہو سکتا ہے جس میں اس قدر خشیت خدا بھی نہیں

کہ احکام شرعیہ پر عمل کرے؟ پس خود اپنے مقولہ کے مطابق عبدالحکیم خاں جھوٹا اور مفتری ٹھہرتا ہے اور ہر ایک عقلمند جو اس سے نتیجہ نکال سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔

تیسری دلیل جو میں اس کے مفتری ہونے کے ثبوت میں پیش کرنا چاہتا ہوں اور جس کا ذکر اس نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں اعلان الحق میں بھی کیا ہے۔(یہ رسالہ اس نے حضرت صاحبؑ کی وفات پر اپنی سچائی کے ثبوت کے لئے شائع کیا ہے) یہ ہے کہ اس شخص نے حضرت اقدسؑ کی وفات کی نسبت پیشگوئی شائع کی کہ آپ تین سال کے اندر فوت ہو جائیں گے۔ اور یہ جھوٹے اور سچے کے فیصلہ کے لئے ایک نشان ہوگا۔ اس پیشگوئی کی اصل حقیقت تو میں پہلے ہی لکھ آیا ہوں کہ پہلے حضرت اقدسؑ خود یہ پیشگوئی کر چکے تھے کہ میں جلد فوت ہو جاؤں گا۔ اور الہام الٰہی سے ظاہر ہوتا تھا کہ تین سال کے اندر ہی آپ فوت ہو جائیں گے۔ اور ایسے وقت میں اس کا یہ پیشگوئی کرنا محض ایک شرارت تھی۔ مگر خیر خدا تعالیٰ نے اس کو جھوٹا ثابت کرنا تھا۔ اس لئے تھوڑے دنوں کے بعد اس کو القائے شیطانی ہؤا کہ اب تین سال کی میعاد چودہ ماہ رہ گئی ہے۔ اور یہ بھی پہلے کی طرح چوری ہی تھی۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ نے دوبارہ شائع کیا تھا کہ اب میری موت قریب ہے۔ اب یہاں تک تو شیطان نے اپنی بڑی فتح سمجھی۔ کہ خدا کے کلام میں سے چرا کر اور الہام الٰہی میں سے اُخذ کر کے میں نے اپنا گھر پورا کر لیا۔ مگر خدا تو بڑا علام الغیوب ہے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب باتیں اس کی دھری رہ جائیں گی اور وہی ہوگا جو میرا ارادہ ہے چنانچہ کچھ مدت کے بعد شیطان نے اس پر اپنا کلام نازل کیا اور بتایا کہ مرزا ۲۱- ساون مطابق ۴/ اگست کو فوت ہو جائے گا۔ چنانچہ اس نے اس الہام کو اس خیال سے کہ اب میری بڑی فتح ہوگی مختلف اخباروں میں شائع کرا دیا مثلاً روزانہ پیسہ اخبار، وطن اور اہل حدیث اور اس کے علاوہ بریلی گزٹ میں بھی اس کا یہ الہام شائع ہؤا۔ کہ مرزا ۴/ اگست کو فوت ہو جائے گا۔ اور اسی طرح بہت سے خطوط میں اس نے اس الہام کا ذکر کیا جو اب تک موجود ہیں۔ مگر اس کے برخلاف حضرت مسیح موعودؑ کو خداوند تعالیٰ نے الہام کیا کہ "خدا سچے اور جھوٹے میں فرق کر دکھائے گا"۔ اور ساتھ ہی بتا دیا کہ میری وفات ۱۵/ اکتوبر کے ۲۲۳ دن بعد ہوگی اور بیعت کے اکیسویں سال ہوگی جیسا کہ میں اپنے مضمون کے پہلے حصہ میں ثابت کر آیا ہوں۔ پس اب عقلمند لوگ مقابلہ کر کے دیکھیں کہ کون سچا رہا اور کون جھوٹا۔ حضرت مسیح موعودؑ کو بھی آپ کی وفات کی تاریخ اور مہینہ بتایا گیا تھا۔ اور دونوں کے الہامات مختلف اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب غور کرنے والے غور کریں کہ کون سچا رہا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی وفات کی خبر ۲۶/ مئی

بتلائی تھی۔ اور اس نے ۴/ اگست تاریخ مقرر کی تھی۔ چنانچہ آپ مطابق خدائی الہام کے اسی تاریخ کو فوت ہو گئے اور اس کو کذّاب ثابت کر گئے۔ اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یہ شخص شیطان سے خبر پانے والا ہے۔ کیونکہ جب تک کہ حضرتؑ کے الہامات سے سرقہ کرتا رہا تب تک تو کسی قدر راستی پر رہا۔ اور جونہی بلند پروازی شروع کی اور چاہا کہ اپنے شیطانی الہاموں کا رحمانی الہاموں سے مقابلہ کرے تو وہیں ہلاکت کا منہ دیکھا اور سخت ذلیل اور خوار ہؤا۔ اور دنیا نے اس کی اصلیت کو پالیا اور صادق اور کاذب کا فیصلہ ہو گیا اب کیا کوئی شخص باوجود ایسے صریح ثبوتوں کے اس کی نسبت ایک لحہ کے لئے بھی گمان کر سکتا ہے کہ یہ اپنے اندر کچھ بھی صداقت رکھتا ہے۔ اور کیا کوئی سعید روح اب بھی حضرت صاحب کی سچائی کا انکار کر سکتی ہے؟ دیکھو آپؑ نے آج سے ڈیڑھ سال پہلے بتا دیا تھا کہ میں ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو وفات پاؤں گا اور اس دن لوگ خوشیاں منائیں گے۔ مگر برخلاف اس کے اس نے ۴/ اگست کی تاریخ بتائی تھی۔ پس خدا تعالیٰ نے جھوٹے اور سچے میں فرق کر دکھایا۔ پھر بار بار اس شخص کا اپنی سچائی پر زور دینا حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ جبکہ اس کی اپنی قلم کا لکھا ہؤا الہام موجود ہے کہ اب ۱۴ ماہ والی پیشگوئی کی جگہ مرزا ۴/ اگست کو فوت ہو گا۔ اور اس کے دستخط کا فوٹو پیسہ اخبار لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔ اور اہل حدیث اور وطن میں بھی اس کی طرف سے یہ الہام درج ہے۔ تو کیا اب یہ انکار کر سکتا ہے کہ میں نے پیشگوئی نہیں کی تھی۔ دیکھو سچوں اور جھوٹوں کا فرق کہ سچے تو بعض اوقات افسوس کرتے ہیں۔ کہ یہ پیشگوئی شائع نہیں کی۔ مگر جھوٹے جو شائع کر بیٹھے ہیں اس پر بھی شرمندہ اور پریشان رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کاش ہم یہ پیشگوئی شائع نہ کرتے۔ اور ایسا ہی حال عبدالحکیم کا ہؤا ہے۔ باوجود اس کے کہ یہ الفاظ اس کے الہام کے پیسہ اخبار وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں پھر بھی اب یہ اِنکار کرتا ہے۔ اور اپنے رسالہ میں لکھتا ہے کہ میں نے ۴/ اگست تک کی پیشگوئی کی تھی جو پوری ہوئی۔ مگر ہم اس کا جواب سوائے لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (آل عمران: ۶۲) کے اور کیا دے سکتے ہیں۔ اگر پیسہ اخبار' وطن' اہل حدیث اور یونین گزٹ بریلی میں اس کا یہ الہام شائع نہ ہو چکا ہوتا تو یہ جتنا چاہتا جھوٹ بول سکتا تھا مگر خدا نے اسے ناک سے پکڑ لیا ہے اب یہ بچ کس طرح سکتا ہے۔ افسوس رسول ہونے کا دعویٰ اور اس قدر جھوٹ۔ کیا مسیلمہ کذّاب اس سے زیادہ جھوٹ بولتا تھا۔ نہیں۔ زمانہ کی ترقی کے ساتھ مسیلمہ کی روح نے بھی ترقی کی ہے اور آگے سے زیادہ افتراء پردازی پر کمر باندھی ہے۔ الغرض اس شخص نے ۴/ اگست کو حضرت اقدسؑ کی تاریخ وفات مقرر کی تھی مگر آپ ۲۶/ مئی کو فوت ہو کر شیطانی الہاموں

کی قلعی کھول گئے اور آپ کے الہامات میں ۲۶/ مئی تاریخ مقرر ہوئی تھی۔ سو اس تاریخ کو آپ نے وفات پائی اور یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے سچے اور جھوٹے کا فیصلہ ہے۔ جو چاہے قبول کرے۔ ورنہ یاد رہے کہ کسی شخص کا کفر یا ارتداد خدا اور اس کے نبیوں کی شان میں کوئی فرق نہیں پیدا کرتا۔ بلکہ خود ان کے کافر اور ان سے ارتداد کرنے والوں کو کہنا پڑتا ہے یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا یعنی کاش کہ میں مٹی ہی ہوتا یا پیدا ہی نہ ہوتا۔ پس اب بھی وقت ہے جو چشمِ بصیرت رکھتے ہیں وہ خدا کے رسول کا اقرار کریں تا خدا ان کا مددگار ہو۔ ورنہ وہ دن آتے ہیں کہ انکار کرنے والے اپنے انکار کا مزہ چکھ لیں گے اور پھر سوائے پچھتانے کے اور کچھ نہ ہو سکے گا۔

چوتھی بات جس کا میں جواب دینا چاہتا ہوں اور جس سے عبدالحکیم کا دروغ ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اس نے اپنے اشتہار اعلان الحق میں لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے تبصرہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں جو میری سچائی ظاہر کرتے ہیں کہ اپنے دشمن کو کہہ دے کہ خدا تجھ سے مؤاخذہ کرے گا۔ میں تیری عمر کو بڑھاؤں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ جولائی ۱۹۰۷ء سے چودہ مہینے تک تیری عمر کے رہ گئے ہیں یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیشگوئی کرتے ہیں۔ ان سب کو میں جھوٹا کروں گا اور تیری عمر کو بڑھادوں گا تا معلوم ہو کہ میں خدا ہوں۔ اور ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے"۔ اور پھر لکھا ہے۔ کہ "دنیا میں تیرا نام بلند کیا جائے گا۔ اور نصرت و فتح تیرے شامل حال ہوگی۔ اور دشمن جو تیری موت چاہتا ہے۔ وہ خود تیری آنکھوں کے روبرو اصحاب فیل کی طرح نابود ہو جائے گا۔ اور تباہ ہو جائے گا"۔ ان فقرات کے لکھنے سے وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ مرزا صاحب فوت ہو گئے اور میں زندہ ہوں اور یہ میری سچائی کا نشان ہے۔ مگر اس نادان کو یہ سمجھ نہیں آئی کہ مرزا صاحب کی وفات سے اگر نعوذ باللہ ان کی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو اس سے اس کی سچائی کس طرح ثابت ہوئی۔ فرض کرو کہ نعوذ باللہ مرزا صاحب کی تمام پیشگوئیاں غلط ہوئیں اور ایک بھی سچی نہیں ہوئی تو بھی اس کی صداقت ثابت نہیں۔ اور اس کی سچائی تو اس بات سے ثابت ہوتی تھی کہ اس کی اپنی پیشگوئی بھی سچی نکلتی جب اس نے مرزا صاحب کی وفات کی تاریخ ۴/ اگست مقرر کی۔ اور مرزا صاحب اپنی پیشگوئی کے مطابق ۲۶/ مئی کو فوت ہوئے۔ تو یہ خود بخود جھوٹا اور کاذب ثابت ہو گیا۔ اب اس کا یہ عذر کہ مرزا صاحب کی ایک پیشگوئی سچی نہیں نکلی۔ تو اس سے اس کی سچائی ثابت ہوتی ہے محض ایک دھوکہ ہے۔ اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ اشتہار تبصرہ اس وقت شائع کیا گیا ہے جب اس نے حضرت مرزا صاحب کی وفات کی میعاد چودہ ماہ مقرر کی تھی۔ اس وقت یہ لکھا گیا تھا کہ خدا نے دشمن کو جھوٹا کرنے کے لئے

میری عمر بڑھا دی۔ چنانچہ اگر وہ چودہ ماہ کی میعاد عبد الحکیم قائم رکھتا تو اس وقت اس کا یہ اعتراض ہو سکتا تھا کہ میری بتائی ہوئی میعاد کے اندر فوت ہو گئے ہیں اس لئے میں سچا ہوں۔ مگر جب اس نے خود اس پیشگوئی کو رد کر دیا اور لکھ دیا کہ بجائے چودہ ماہ والی پیشگوئی کے اب ۴/ اگست کی تاریخ مقرر کی گئی ہے۔ تو تبصرہ میں جو کچھ لکھا گیا تھا اس کے پورے ہونے کی ضرورت نہیں رہی۔ کیونکہ وہ اشتہار تو اس غرض کے لئے لکھا گیا تھا کہ جھوٹے اور سچے میں فرق ثابت کیا جائے اور دنیا پر ظاہر ہو جائے کہ کون جھوٹا ہے اور کون سچا۔ پس جب اس نے ۴/ اگست تاریخ وفات مقرر کر دی۔ تو اب سچے اور جھوٹے میں فرق اس طرح ہو سکتا تھا کہ ایک دوسرے کی پیشگوئی کے مطابق ہلاک ہو جاتا۔ اور اس طرح اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کر جاتا۔ پس خدا تعالیٰ نے مرزا صاحب کو ۲۶/ مئی کو وفات دے کر ثابت کر دیا کہ عبد الحکیم جھوٹا ہے۔ چنانچہ تبصرہ کے الفاظ بھی یہی ہیں کہ جو دشمن تیری وفات کی پیشگوئی کرتے ہیں ان کو میں جھوٹا ثابت کروں گا پس صاف ثابت ہؤا کہ خدا تعالیٰ کا منشا اس جگہ دشمن کو جھوٹا ثابت کرنے کا تھا نہ کچھ اور۔ چنانچہ جب اس نے اپنی پیشگوئی کو خود ہی رد کر دیا اور لکھا کہ اب ۴/ اگست کی تاریخ مقرر ہو گئی ہے تو خدا تعالیٰ نے اس کو اس طرح جھوٹا ثابت کیا کہ آپ کو ۲۶/ مئی کو وفات دے دی اور اس کی پیشگوئی ایک دیوانہ کی بڑ کی طرح رد ی گئی۔ اور جھوٹے اور سچے میں خدا تعالیٰ نے فرق کر کے دکھلا دیا کہ سچوں کی باتیں سچی اور جھوٹوں کی جھوٹی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک شخص کو کہا جائے کہ تو اس لئے ہلاک ہو جائے گا کہ تو اسلام کو برا کہتا ہے اور گالیاں دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ شخص اسلام لے آئے اور بڑا متقی اور پرہیز گار ہو جائے تو وہ اس ہلاکت سے بچ جائے گا کیونکہ اس نے وہ بات چھوڑ دی۔ اسی طرح یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔ عبد الحکیم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت پیشگوئی کی کہ وہ چودہ مہینے کے اندر فوت ہو جائیں گے اور یہ میری سچائی کا نشان ہے۔ اس پر حضرت مسیح موعودؑ نے شائع کیا کہ ایسا نہیں ہو گا بلکہ یہ خود میرے سامنے ہلاک ہو جائے گا۔ اور یہ سب باتیں اس لئے ہیں کہ سچے اور جھوٹے میں فرق ہو جائے۔ چنانچہ اگر یہ شخص اس پیشگوئی پر قائم رہتا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے ہلاک ہو جاتا اور وہ زندہ رہتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کو تو اپنے نبی اور رسول کی سچائی ظاہر کرنی منظور تھی نہ کہ کچھ اور۔ مگر چونکہ بعد میں یہ اپنی بات سے پھر گیا اور اس نے چودہ ماہ والی پیشگوئی کو اپنی سچائی کا نشان قرار نہ دیا۔ بلکہ لکھا کہ میری سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ مرزا ۴/ اگست کو فوت ہو گا۔ تو خدا تعالیٰ نے بھی اپنی پہلی بات کو منسوخ کر دیا اور جس راہ سے اس نے اس کے

رسول کو پکڑنا چاہا تھا اسی راہ سے اس کو پکڑ لیا- یعنی حضرت صاحب کو اس کی مقرر کردہ تاریخ پر وفات نہ دی- اور ۲۶/ مئی کو دی جو تاریخ خود آپ کے الہامات سے ثابت ہوتی تھی- اور اس طرح خدا کا وہ کلام کہ "جھوٹے اور سچے میں فرق کر کے دکھایا جائے گا" پورا ہؤا- اور عبدالحکیم کے منہ پر کذاب کا ایسا بدنما داغ لگا جو قیامت تک مٹ نہیں سکتا- اور یہ بات جو میں نے لکھی ہے کہ جب عبدالحکیم نے چودہ ماہ والی پیشگوئی کو منسوخ کر دیا تو خدا نے بھی اپنے وعید کو دوسرے رنگ میں بدل دیا بے ثبوت نہیں بلکہ قرآن شریف سے بھی ثابت ہوتی ہے- چنانچہ جن لوگوں کے لئے فرمایا تھا کہ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ- ان میں سے بھی بہت سے لوگ آخر کار ایمان لائے اور بڑے بڑے انعام و اکرام کے مستحق ٹھہرے پس اس جگہ بھی خدا تعالیٰ نے اپنی سنت قدیمہ کے مطابق جس کی نسبت وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا کا حکم آیا ہے عمل کیا- اور جب عبدالحکیم خاں نے اپنی پیشگوئی کو چھوڑ کر ایک اور پیشگوئی پر اپنی سچائی کا مدار رکھا تو خداوند تعالیٰ نے بھی اپنی بے پایاں قدرتوں سے چاہا کہ اس کو اپنی راہ سے ہلاک کرے- چنانچہ اس نے اس کی پیشگوئی کو بالکل غلط ثابت کر دیا- اور اس نے بتایا تھا کہ حضرت اقدس علیہ السلام ۴/ اگست کو فوت ہوں گے مگر ایسا نہ ہؤا- چنانچہ یہ جھوٹا ٹھہرا- اور تبصرہ میں بتایا ہؤا عذاب اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ کے مطابق اس پر سے ٹل گیا- کیونکہ اس کو جھوٹا ثابت کرنا ضروری تھا- سو خدا نے ثابت کر دیا-

پانچویں بات جو عبدالحکیم کے تمام دعاوی کو بالکل توڑ دیتی ہے- اور اس کے جھوٹ کا قلع قمع کر دیتی ہے ایسی صاف ہے کہ خدا کے فضل سے اس کے بعد اس شخص کا ہاتھ کہیں پڑ ہی نہیں سکتا اور خواہ کتنے ہی دانت پیسے اور پیشانی رگڑے ممکن ہی نہیں کہ اپنے مطلب کے مطابق کوئی بات نکال سکے- چنانچہ اگر غور سے دیکھا جائے تو حضرت اقدس علیہ السلام نے کبھی کوئی الہام شائع نہیں کیا جس میں یہ آیا ہو کہ عبدالحکیم تیری زندگی میں ہلاک ہو جائے گا- زیادہ سے زیادہ مندرجہ ذیل چند الہامات ہیں جن سے یہ اپنے مطلب کی بات نکالتا ہے- مگر میں یہ ثابت کرتا ہوں کہ ہرگز ان سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عبدالحکیم آپ کی زندگی میں ہلاک ہوگا- اور پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وہ الہامات اس وقت کے ہیں جبکہ اس نے چودہ ماہ والی پیش گوئی کی تھی اور اس پیشگوئی کے بدلنے پر ان الہامات کی سزا بھی اور رنگ میں بدل گئی- بہر حال وہ الہامات یہ ہیں رَبِّ فَرِّقْ بَيْنَ صَادِقٍ وَّ كَاذِبٍ- اَنْتَ تَرٰى كُلَّ مُصْلِحٍ وَّ صَادِقٍ- اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ - تیرے دشمنوں کا اخزاء و افناء تیرے ہی ہاتھ سے مقدر تھا- چنانچہ ان الہامات سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی جس سے یہ معلوم ہو کہ عبدالحکیم حضرت اقدسؑ کی زندگی میں ہلاک ہو گا بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا سچے اور جھوٹے میں فرق کر کے دکھلاوے گا- اور وہ اصحاب فیل کی طرح ذلیل ہو کر ہلاک ہو گا اور اس کے تمام مکر و فریب غارت ہو جاویں گے- اور وہ بوجہ مخالفت حضرت اقدسؑ کے ہلاک ہو گا- اب ان الہامات کو دیکھ کر ہر ایک اہل عقل دیکھ سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے کس طرح گھیر کر اس سے ۴- اگست والی پیشگوئی شائع کروائی اور کس طرح اس کے مکر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور تمام دنیا کی نظروں میں اس کو ذلیل کیا اور ان الہامات کے جو معنی حضرت اقدسؑ نے کئے ہیں کہ وہ میرے سامنے ہلاک ہو گا ایک اجتہادی غلطی تھی اور اجتہادی غلطی ہر نبی سے ہوتی رہتی ہے- چنانچہ اس کی بہت سی نظیریں قرآن شریف اور احادیث صحیحہ میں موجود ہیں مثلاً حضرت نوحؑ کے قصہ کو ہی دیکھو کہ ان سے وعدہ تھا کہ تیرے اہل بچائے جائیں گے اور جب طوفان میں اپنے بیٹے کو غرق ہوتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے خداوند تعالیٰ سے کہا کہ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ (ہود:۴۶) یعنی اے خدا میرا بیٹا بھی تو میرے اہل سے ہے یہ کیوں غرق ہونے لگا- تو اس پر خدا نے جواب دیا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ (ہود:۴۷) یعنی وہ تیرے اہل سے نہیں اور فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (ہود:۴۷) یعنی ایسی بات مجھ سے مت پوچھ جس کا تجھ کو علم نہیں- پھر حضرت یونس علیہ السلام کو بھی اجتہادی غلطی لگی- اور جب ان کی پیشگوئی کے مطابق ان کی قوم ہلاک نہ ہوئی تو ایسے گھبرائے کہ خدا تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے کہ اگر خدا کا فضل نہ ہوتا تو وہ ملزم کر کے پھینک دیئے جاتے- چنانچہ قرآن شریف میں آتا ہے- لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ (القلم:۵۰)

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجتہادی غلطی لگی اور انہوں نے سمجھا کہ میں خود بنی اسرائیل کو کنعان میں پہنچاؤں گا- حالانکہ وہ راستہ میں ہی فوت ہو گئے- اور ان کے ساتھی بھی تقریباً تمام راستہ میں ہی فوت ہوئے- اور ان کے ایک خلیفہ نے بنی اسرائیل کو منزل مقصود تک پہنچایا- پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اجتہادی غلطی لگی اور انہوں نے سمجھا کہ میرے حواریوں کو دنیاوی بادشاہت ملے گی اور انہوں نے ان کو حکم دیا کہ کپڑے بیچ کر تلواریں خریدو- حالانکہ دنیاوی بادشاہت تو الگ رہی- ان کو چین سے بیٹھنا تک نصیب نہ ہؤا- اور پھر آخر میں ہمارے سردار اور ہادی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اجتہادی غلطی لگی اور آپ ایک کشف کی بناء پر حج کو چل دیئے اور بڑی تکلیفوں

کے بعد وہاں پہنچے تو کام نہ ہؤا۔ اس بات سے حضرت عمرؓ جیسے بزرگ کو ابتلاء کا سامنا ہؤا۔ پس غور کا مقام ہے کہ جب اجتہادی غلطی کا ہو جانا کسی نبی کی شان پر کوئی دھبہ نہیں لگاتا۔ اور اس سے اس کی سچائی پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا تو حضرت مسیح موعودؑ جو پچھلے انبیاء کی سنت پر آئے ہیں اگر کوئی اجتہادی غلطی کر بیٹھیں تو ان پر کیا الزام آسکتا ہے اصل تو الہامات کو دیکھنا چاہئے کہ ان کے کیا معنی ہیں۔ اور پھر یہ بات بھی ہوتی ہے کہ ایک نبی سے ایک وعدہ ہوتا ہے اور وہ اس کے جانشین یا اس کی اولاد کے ہاتھوں سے پورا ہوتا ہے۔ پس باوجود ان تمام دلائل کے جو میں اوپر بیان کر آیا ہوں یہ مان بھی لیا جائے کہ ۴/ اگست کی پیشگوئی کے باوجود بھی تبصرہ والا اشتہار قائم رہا اور منسوخ نہیں ہؤا تو بھی کوئی الزام نہیں آتا۔ اور کسی بات سے حضرت اقدسؑ کی تکذیب اور عبدالحکیم کی تصدیق نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو معنی کئے گئے ہیں وہ خدا کی طرف سے تفہیم نہیں بلکہ اپنا اجتہاد ہے۔ پس اگر اس کے مطابق واقعہ نہ ہو تو ملہم کے الہام پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی سچائی اور بھی ظاہر ہوتی ہے کہ اس نے کوئی منصوبہ بنا کر الہام پیش نہیں کئے تھے بلکہ خدائے رحمٰن و رحیم کی طرف سے وہ الہامات تھے۔

اب ناظرین غور کر کے دیکھیں کہ عبدالحکیم کے ہاتھوں میں رہ کیا جاتا ہے جس پر اس کو ناز ہے۔ اس کے لئے اشتہار "خدا سچے کا حامی ہو" اور تبصرہ میں اور حقیقۃ الوحی میں یہ الہامات درج ہیں کہ یہ ہلاک ہوگا اور اس طرح ذلت کے عذاب سے مرے گا اور اس دنیا سے اٹھایا جائے گا کہ دنیا اس بات کو جان لے گی کہ یہ محض افتراء پر تھا۔ اور اس کے الہاموں میں رحمانیت کا کوئی حصہ نہیں تھا اور وہ القائے شیطانی تھے۔ اور اس کے بعد کسی کو جرأت نہ ہو سکے گی کہ خدا کے برگزیدہ کے سامنے اس کو پیش کر سکے اور اس کو کوئی نصرت و مدد الٰہی نہ ملے گی اور مقبولیت سے محروم رہے گا۔ چنانچہ ان الہاموں کی مدت ابھی گذر نہیں گئی اور ہم کو ان کی سچائی میں کوئی کلام نہیں ضرور ہے کہ خدا کا کلام پورا ہو اور وہ جو جھوٹا ہے عذاب الٰہی میں گرفتار ہو اور ذلت اس کے حصہ میں آئے۔ پس باوجود اس کے کہ تبصرہ میں حضرت صاحبؑ نے محض اپنا اجتہاد لکھا ہے کہ یہ شخص میری زندگی میں ہلاک ہو جائے گا۔ اور الہاموں میں قطعاً اس کا ذکر نہیں بلکہ صرف اتنا ذکر ہے کہ عبدالحکیم کے مکر ضائع کئے جائیں گے اور وہ ذلّت سے ہلاک ہوگا۔ عبدالحکیم خاں کا اس بات کو اپنی تصدیق کے لئے پیش کرنا محض شرارت ہے۔ کیونکہ اس کا الہام پورا نہیں ہؤا۔ اور یہ اس کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا مگر حضرت صاحبؑ کے اجتہادی غلطی کو اپنی سچائی کی دلیل قرار دیتا ہے۔ یہ کیسے

افسوس کی بات ہے۔ اور کس قدر شرم کا مقام ہے۔ ہاں اس شخص کو تو چاہئے تھا کہ پیشگوئی کے غلط نکلنے پر سخت نادم ہوتا اور پریشان ہوتا اور توبہ کرتا اور پھر سچائی کی طرف رجوع کرتا اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا۔ مگر اس نے برخلاف اس کے اپنے اس الہام کو جو پورا نہیں ہؤا نظر انداز کر دیا اور حضرت صاحبؑ کی اجتہادی غلطی کو اپنے لئے مصدّق قرار دیا۔ کیا وہ شخص سچائی کا طالب اور حق کا جویا قرار دیا جا سکتا ہے جو اپنے الہام کے جھوٹا نکلنے کو تو چھپائے مگر دوسرے کی اجتہادی غلطی پر خوشیاں منائے۔ کیا یہ ظلم نہیں کہ ایک شخص جو اپنی پیشگوئی کے مطابق فوت ہؤا۔ اور جس نے اڑھائی سال اپنی وفات سے پہلے خبر دے دی ہو کہ میں تین سال کے اندر فوت ہو جاؤں گا اس کی وفات کو اپنے شیطانی یا بناوٹی الہاموں کے مطابق اپنی سچائی کا نشان قرار دیا جائے۔ اب میں اچھی طرح سے عبدالحکیم خاں کی دروغ بیانی اور القائے شیطانی کو ثابت کر آیا ہوں۔ اور میں نے لکھا ہے کہ گو اس شخص کو حضرت صاحب کی وفات کی پیشگوئی کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ کیونکہ خود حضرت اقدس آج سے اڑھائی سال پہلے اپنی وفات کی خبر دے چکے تھے اور اس کے بعد ان کے حق میں کسی کا پیشگوئی کرنا صریح شرارت پر دلالت کرتا ہے۔ اور پھر اگر اس شخص نے پیشگوئی کی بھی تھی تو وہ از طرف شیطان تھی نہ از طرف رحمان کیونکہ اس شخص نے خود اپنی تصانیف میں اس بات کو مانا ہے کہ مجھ کو شیطانی الہام بھی ہوتے ہیں اور جس کو شیطانی الہام ہوں اس کو رحمانی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ خدا کا کلام نجس دماغ پر نہیں اترتا۔

اور پھر تیسری بات جو میں نے ثابت کی ہے یہ ہے کہ اس کی پیشگوئی جو اس نے پیسہ اخبار وغیرہ میں شائع بھی کر دی تھی غلط نکلی ہے۔ کیونکہ اس نے لکھا تھا کہ مرزا ۱۴/ اگست کو فوت ہو گا۔ حالانکہ ہمارے حضرت اقدس ۲۶/ مئی کو فوت ہوئے اور یہ وہ تاریخ ہے جو میں نے ثابت کیا ہے کہ حضرت صاحب نے تبصرہ میں جو لکھا ہے کہ میری آنکھوں کے سامنے مر جائے گا وہ چودہ مہینہ والی پیشگوئی کی بناء پر تھا۔ کیونکہ اس نے لکھا تھا کہ حضرت اقدس چودہ ماہ میں فوت ہو جائیں گے۔ پس اگر آپ اس میعاد میں فوت ہو جاتے تو مخالفین کی نظر میں نعوذ باللہ جھوٹے ٹھہرتے۔ اس لئے خدا کے کلام سے استدلال کر کے آپ نے لکھا کہ نہیں میں فوت نہیں ہوں گا۔ بلکہ تو میری آنکھوں کے سامنے ہلاک ہو گا۔ لیکن جب اس نے اس پیشگوئی کو خود ہی منسوخ کر دیا اور لکھ دیا کہ مجھے پہلی پیشگوئی کے بجائے یہ الہام ہؤا ہے۔ کہ مرزا ۲۱ ساون مطابق ۴/ اگست کو فوت ہو جائے گا تو خدا تعالیٰ نے بھی اسکو اسی رنگ میں جھوٹا کیا۔ یعنی بجائے ۴/ اگست کے حضرت اقدس کو ۲۶/ مئی کو

وفات دی جو تاریخ آپ کے الہام سے ثابت ہوتی ہے۔ اب کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ پیچھے کیوں نہ فوت ہوئے سو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو آپ کو الہام ہو چکا تھا کہ ۱۵/ اکتوبر کے ۲۲۳ دن کے بعد آپ کی وفات ہو گی جو ۲۶/ مئی بنتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ عبد الحکیم ایک سیماب مزاج آدمی ہے اگر حضرت صاحب اور زندہ رہتے تو جھٹ کہہ دیتا کہ بجائے ۲۱ ساون کے اب پھر تین سال والی میعاد ہو گئی ہے۔ بلکہ کوئی تعجب نہ تھا کہ کہہ دیتا کہ اب دس سال ہو گئی ہے پس کیا خدا اس بات کا ذمہ دار ہے کہ ان لوگوں کی بکواس کے مطابق ایک شخص کی عمر بڑھاتا ہی جائے۔ پانچویں دلیل جو میں نے دی ہے وہ یہ ہے کہ اچھا بطور تنزّل ہم ان کے تمام اعتراضوں کو مان بھی لیتے ہیں پھر بھی حضرت اقدس جھوٹے نہیں ٹھہرتے بلکہ ان کی سچائی ہر طرح ظاہر ہے کیونکہ اصل دار و مدار فیصلہ کا الہام الٰہی پر ہوتا ہے۔ پس جبکہ الہام الٰہی سے کہیں بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ عبد الحکیم مرزا صاحب کی زندگی میں ہلاک ہو جائے گا تو پھر ان کی اجتہادی غلطی پر اس قدر زور دینا محض تعصب اور ضد ہے۔ کیونکہ جب ایسی اجتہادی غلطیاں کل انبیائے کرام سے ہوتی رہی ہیں اور قرآن شریف ان کا ذکر کرتا ہے اور احادیث میں ان کا بیان ہے تو پھر حضرت صاحب پر یہ اعتراض خصوصیت سے کس طرح آ سکتا ہے؟ اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھو اور اپنے دلوں کو ٹٹولو کیا وہ تم کو ایسا اعتراض کرنے پر ملامت نہیں کرتے جو صرف مرزا صاحب پر ہی نہیں بلکہ تمام نبیوں پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ تم حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت میں اس قدر دیوانے کیوں ہو رہے ہو۔ ذرا تحمل و صبر سے کام لو اور ٹھنڈے دل سے اس معاملہ پر غور کرو تو تم پر کھل جائے گا اور روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے گا کہ تم ایسے بے ہودہ اور لغو اعتراضوں سے صرف حضرت مسیح موعودؑ کا ہی انکار نہیں کر رہے بلکہ آدمؑ سے لے کر نبی کریم ﷺ تک تمام نبیوں کی ہتک کرتے ہو۔ اور ایسے کلمات تمہارے منہ سے نکلتے ہیں جن سے ان کا انکار لازم آتا ہے۔ اور وہ جن کی عزت کرنا تمہارا فرض ہے اور جن کی تابعداری کرنا تمہارے لئے فخر کا باعث ہے انہیں پر اپنی بدزبانی کے تیر چلا رہے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ تم دین کی خدمت میں مصروف ہو مگر جس قدر ضرر دین کو تمہارے ہاتھوں سے پہنچ رہا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ تم اپنی بیوقوفی کی وجہ سے اسی تنے کو کاٹ رہے ہو جس پر خود کھڑے ہو۔ اور دنیا کے لالچ اور عزت اور بڑائی کی خواہش نے تم کو دیوانہ بنا رکھا ہے اور تم اپنے نفع کے لئے دین کا نقصان کر رہے ہو اور جاہل اور نادان لوگوں کو اپنے فائدہ کی خاطر اس سچائی اور ہدایت کے سرچشمہ سے روک رہے ہو جو خدا نے ان کی حالتوں پر رحم کھا کر ظاہر کیا ہے۔ خدا کا خوف

تمہارے دلوں سے کیوں اٹھ گیا اور یوم الدین پر تمہیں کیوں ایمان نہیں رہا۔ دین کے مغز کو چھوڑ کر قشر کی طرف لپک رہے ہو۔ اور نہیں دیکھتے کہ اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ کیا وہ اسلام کا خدا جو غیور خدا ہے جو شریر اور بدبخت انسان کو بغیر سزا دیئے کے نہیں چھوڑتا تمہارے اعمال واقوال سے ناواقف ہے۔ کیا یہ بغض اور کینہ اور عداوت جو تم اس کے مأمور سے ظاہر کر رہے ہو اس کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ کیا وہ خدا جس نے نوحؑ کے وقت میں کفار کو غرق کیا اور لوطؑ کی بستی کو الٹا دیا اور عیسیٰؑ کے مخالفوں کو ذلیل وخوار کیا اور نبی کریم ﷺ کے دشمنوں کو تباہ و برباد کیا اور جو رسول دنیا میں آیا اس کی مدد کی اور جنہوں نے انکار کیا انہیں ہلاک کیا۔ آج اپنے رسول کی مدد چھوڑ دے گا اور اپنی سنت اور وعدوں کے خلاف اس کے قائم کئے ہوئے سلسلہ کو تباہ ہونے دے گا۔ ہاں ذرا غور تو کرو کہ آدمؑ سے لے کر حضرت نبی کریم ﷺ تک جو وعدے مسیح موعودؑ کی نسبت کئے گئے تھے کیا وہ خالی جائیں گے۔ اور شیطان بغیر سزا کے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور کفر ایمان کو کھا جائے گا۔ اور شرک توحید پر غالب آجائے گا۔ اور کیا تم یقین کرتے ہو کہ اس کے بعد اسلام کا کوئی نام بھی لے گا۔ اور وہ دین جو نبی کریمؐ اور صحابہؓ نے خدا کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے قائم کیا تھا اس کی طرف کوئی رجوع بھی کرے گا؟ پس جب ایسا نہیں ہے۔ اور خدا اپنے بندوں کو دشمنوں کے ہاتھوں میں نہیں چھوڑتا۔ اور ان کو مدد اور نصرت دیتا ہے۔ اور جس کام کے لئے ان کو بھیجتا ہے اس کو پورا کر کے چھوڑتا ہے۔ اور ان کے ارادوں کو پورا کرتا ہے۔ اور ہر میدان اور ہر لڑائی میں ان کو فتح دیتا ہے۔ اور ہمیشہ کامیابی ان کے ساتھ رہتی ہے۔ اور ان کے دشمن ہلاک کئے جاتے ہیں۔ اور دین و دنیا میں ذلیل کئے جاتے ہیں۔ اور وہ جو چشم بصیرت رکھتے ہیں اپنی آنکھوں سے سچائی اور جھوٹ میں فرق دیکھ لیتے ہیں۔ تو آج بھی جبکہ خدا نے ایک رسول بھیجا اور اس کو وعدہ دیا کہ دنیا میں تیرا نام روشن کروں گا۔ اور تیرے دشمنوں کو ہلاک کروں گا۔ اور وہ جو تیرے ساتھ ہوں گے ہمیشہ ان کی مدد و نصرت کروں گا۔ اور ان کے مقابل کھڑے ہونے والوں کو پسپا کروں گا۔ وہ ہر ایک دشت اور ہر ایک میدان اور ہر ایک پہاڑ اور ہر ایک وادی میں فتح پائیں گے۔ یہاں تک کہ فرمایا جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (تذکرہ: ۶۱) یعنی وہ جو تیرے تابعدار ہوں گے انہیں تیرے منکروں پر قیامت تک فوقیت دوں گا۔ اور ان کا ہاتھ ہمیشہ ان کے اوپر رہے گا۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ جو مخالفت کرتے ہیں بغیر عذاب کے چھوڑے جائیں اور انہیں موقعہ دیا جائے کہ سچائی کے طرف داروں کو ہلاک کر دیں۔ پس خدا سے ڈرو اور توبہ کرو تاکہ خدا اپنے عذابوں کو تم

سے ٹال دے اور تم ان مصیبتوں سے بچ جاؤ جو قریب ہے کہ خدا کے وعدہ کے مطابق دنیا کو گھیر لیں اور قیامت کا نظارہ تمہاری نظروں کے سامنے پھر جائے۔ یہ نہ خیال کرو کہ ابھی عذاب کے آنے میں دیر ہے بلکہ سچائی کی مخالفت حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اور حق کے طرف داروں کو اس قدر دکھ دیا گیا ہے کہ شاید جب سے دنیا پیدا ہوئی ایسا کبھی نہیں کیا گیا ہو گا۔ اور وہ جنہوں نے خدا کے رسول کا ساتھ دیا اس قدر ستائے گئے ہیں کہ ممکن نہیں کہ ان کی آہیں آسمان تک نہ پہنچی ہوں۔ اور اس خدا کے برگزیدہ کی وفات کے بعد جبکہ چار لاکھ احمدی اپنے روحانی باپ کے سائے سے جدا ہو گئے اس قدر دشنام دہی اور سخت زبانی سے کام لیا گیا ہے اور اتنی ایذا رسانی کی گئی ہے کہ اس کا پورا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ پس جبکہ ایک یتیم کے رونے کی آواز سے عرش عظیم کانپ جاتا ہے تو کیا چار لاکھ انسانوں کی دل آزاری سے اس میں جنبش نہ آئی ہو گی۔ خدا کا وعدہ اس کے رسول کی معرفت ہمیں پہنچ چکا ہے اور ہمیں اپنے وجود سے بڑھ کر اس پر یقین ہے۔ اور ضرور ہے کہ ایک دن ان تمام ظلموں اور دکھوں کا بدلہ لیا جائے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ طاعون ابھی ملک سے رخصت نہیں ہوئی اور آئے دن کے زلزلے ایک بڑے زلزلہ کی پیشگوئی کر رہے ہیں کہ جس کی نسبت خدا کا رسول پہلے سے اطلاع دے چکا ہے۔ پس اے نادانو خدا کے دن کے آنے سے پہلے توبہ کرو کیونکہ اس وقت جبکہ عذاب سر پر آپہنچا توبہ قبول نہیں ہوتی اور گریہ وزاری بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ پس تدبر کرو۔ اور قرآن شریف کی اس آیت پر غور کر کے نصیحت پکڑو۔ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا (بنی اسرائیل: ۵۹) یعنی کوئی بستی ایسی نہیں کہ جس کو قیامت سے پہلے ہم ہلاک نہ کر دیں یا سخت عذاب میں مبتلا نہ کریں۔ اور یہ کتاب میں لکھا ہؤا ہے اور پھر خدا تعالیٰ کے مامور حضرت مسیح موعودؑ کو خبر دی گئی ہے کہ یہ وعدہ نہیں ٹلے گا جب تک کہ خون کی ندیاں نہ بہا دی جائیں۔ پس یہ وقت ہے کہ اپنے دلوں کو سنوارو اور تقویٰ اور طہارت اختیار کرو تاکہ خدا کے دن کے آنے سے پہلے تمہارا نام مغضوبین سے کاٹ دیا جائے۔ تم سمجھتے ہو کہ ہمارا اس سلسلہ سے کوئی دنیاوی مقصد ہے اور دنیاوی لالچ نے ہمیں اس کام کے لئے مجبور کیا ہے مگر میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ مسیح موعودؑ کی دعاؤں نے ہمارے دلوں کو تمہارے لئے بے قرار کر دیا۔ ہم نے تمہارے لئے اس کی تڑپ مشاہدہ کی اور ہمارے دل بھی غمگین ہو گئے۔ ان کے کلام کو پڑھو اور غور کرو کہ اس کا دل تمہارے لئے کیسا بے چین تھا۔

کشتیٔ اسلام بے لطف خدا اب غرق ہے
اے جنوں کچھ کام کر بیکار ہیں عقلوں کے وار
مجھ کو دے اک فوقِ عادت اے خدا جوش و تپش
جس سے ہو جاؤں میں غم میں دیں کے اک دیوانہ وار
وہ لگادے آگ میرے دل میں ملّت کے لئے
شعلے پہنچیں جس کے ہر دم آسمان تک بے شمار
اے خدا تیرے لئے ہر ذرہ ہو میرا فدا
مجھ کو دکھلا دے بہارِ دیں کہ میں ہوں اشکبار

باوجود اس کے کہ وہ رات اور دن تمہارے لئے دعائیں کرتا تھا پھر بھی تسلی نہیں ہوئی- اور اب وہ خدا سے دعا کرتا ہے کہ اے خدا میرے دل میں اور بھی زیادہ تڑپ پیدا کر کہ میں اپنی قوم کے لئے آہ و زاری کروں اور ہر وقت میری آہوں کے شعلے آسمان تک پہنچیں- اب اے ناظرین جو کچھ میں نے تمہیں کہنا تھا وہ کہہ چکا ہوں- اور چونکہ مضمون کی حد سے باہر آگیا ہوں- اس لئے پھر اپنے اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہوں اور عبدالحکیم کی نسبت کچھ تھوڑا سا اور لکھ کر مضمون کے دوسرے حصّہ کو شروع کرتا ہوں-

عبدالحکیم جس کو خدا کا رسول ہونے کا دعویٰ ہے جھوٹ اور افتراء سے کام لینے سے بھی باز نہیں آتا- اس نے اپنے رسالہ اعلان الحق میں یہ الہام شائع کیا ہے- کہ مرزا پھیپھڑے کی مرض سے ہلاک ہوگیا- اور پھر لکھتا ہے کہ اگرچہ اصل مرض جس سے مرزا کی ہلاکت ہونی تھی یہی تھی- مگر مرزائیوں نے اس بات کو چھپائے رکھا- اور دنیا پر مرزا کے پھیپھڑے کی مرض کو ظاہر نہ ہونے دیا- گویا کہ نعوذ باللہ حضرت اقدس کو سل کی بیماری ہو گئی تھی- لعنت اللہ علی الکاذبین - اس قدر جھوٹ بولتے ہوئے اس شخص کو خدا کا خوف بھی نہیں آتا اور شاید اس کو وہ دن بھولا ہؤا ہے جبکہ خدا کے روبرو اس کو ان تمام بہتانوں اور تہمتوں کا جواب دہ ہونا پڑے گا مگر افسوس کہ شیطان نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈالا ہؤا ہے اور یہ سچ اور جھوٹ میں فرق نہیں کر سکتا- اصل بات یہ ہے کہ حضرت اقدس کو نومبر ۱۹۰۷ء میں موسمی کھانسی ہوئی تھی- یہ خبر عبدالحکیم کے شیطان نے بدر اخبار میں پڑھ کر آپ کو جا بتائی- اور اس نے جھٹ یہ الہام بنالیا- کہ مرزا کو پھیپھڑے کی مرض ہو گئی ہے اور وہ اس سے ہی ہلاک ہوگیا- یعنی ہلاک ہو گا- مگر شاید دوبارہ اس کو یہ بتانا بھول گیا کہ وہ انہیں دنوں میں اچھے بھی ہو گئے تھے- اور جب دسمبر میں آپ نے یہ الہام بنایا تھا- اس وقت حضرت شفا یاب ہو چکے تھے اور یہ الہام آپ کے الہام بھیجنے والے نے اس خیال سے بتایا تھا کہ حضرت اقدس کثرت مطالعہ اور تصنیف کے کام میں تو لگے ہی رہتے ہیں اور عمر بھی بہت ہو گئی ہے اس لئے یہ کھانسی سل ہی ہوگی- مگر اسے کیا معلوم کہ لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی خدا جھوٹے کو کبھی کامیاب

نہیں کرتا- وہ موسمی کھانسی تھی- اور اسی موسم میں اچھی ہو گئی- اور پھر دروغ گو را حافظہ نباشد کی مثال آپ پر کیسی صادق آئی ہے کہ یہ لکھ کر کہ مجھ کو الہام ہؤا تھا کہ مرزا پھیپھڑے کی مرض سے ہلاک ہو گا- آپ آگے لکھتے ہیں کہ مرزا مرض ہیضہ سے ہلاک ہؤا- شاید آپ کی خدائی طب میں ہیضہ پھیپھڑے سے بھی پیدا ہوتا ہو گا- افسوس اے عبدالحکیم اگر تو ذرا بھی خشیت خدا سے کام لیتا تو آج اس درجہ کو کیوں پہنچتا- شرم! شرم!! شرم!!!

اس کے علاوہ ایک اور جھوٹ عبدالحکیم خاں نے بولا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے ایک اپنا الہام مختلف اخباروں میں شائع کیا تھا- کہ مرزا ۲۱ ساون مطابق ۴/ اگست کو فوت ہو جائے گا- اور مختلف لوگوں کو خطوط میں بھی یہی لکھا تھا- جن میں سے ایک دو ہمارے پاس بھی موجود ہیں- اور پیسہ اخبار میں آپ کے خط کا فوٹو بھی شائع ہو چکا تھا- مگر باوجود اس کثرت اشاعت کے آپ نے اپنے رسالہ اعلان الحق میں یوں لکھا ہے کہ میں نے شائع کیا تھا کہ ۴/ اگست تک مرزا فوت ہو جائے گا- حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے اگر مختلف اخباروں میں یہ شائع نہ ہو چکا ہوتا- تو یہ کذب بیانی کام بھی آتی- مگر باوجود اس قدر شہادتوں کے آپ کا اس طرح دلیری سے بات بدل لینا کمال درجہ جرأت پر دلالت کرتا ہے- اور اس کی وجہ سوائے لالچ کے اور کچھ نہیں- آپ نے سمجھا کہ حضرت اقدس فوت تو ہو ہی گئے ہیں- اس وقت جھوٹ بول کر بھی کام نکال لینا روا ہے کیونکہ دروغ مصلحت آمیز جائز ہے- اور اگر اور کچھ نہیں تو کم سے کم دوائیوں اور کتابوں کا اشتہار تو ہو جائے گا- اور ان کی بکری سے کچھ نہ کچھ نفع تو مل ہی رہے گا- چنانچہ آپ نے اعلان الحق میں جس میں اپنی رسالت اور مرزا صاحب کی وفات کا ذکر کیا ہے- مختلف دواؤں اور کتابوں کا بھی اشتہار دیا ہے اور شاید اس اشتہار میں یہی مصلحت سمجھی ہو کہ حضرت اقدس کی مخالفت کی وجہ سے اشتہار کو لوگ پڑھیں گے- اور ساتھ ہی اصل مقصد بھی حاصل ہو جائے گا مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ دعویٰ رسالت کو پیش کرتے ہوئے بھی آپ جھوٹ بولنے سے نہ چوکے- پیسہ اخبار' وطن' اہلحدیث' یونین گزٹ اور دیگر کئی اخباروں میں آپ کی پیشگوئی چھپ چکی ہے- اور خود آپ نے اپنے رسالہ میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ ان ان اخبارات میں میری پیشگوئی شائع ہو چکی ہے- اور پھر باوجود اس کے "۴/ اگست کو" کی جگہ آپ نے "۴/ اگست تک" بنا لیا- تف برایں دعویٰ مسلمانی ~ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد جب رسول یہ کام کرنے لگے تو امت کیا کرے گی؟

باب دوم

مولوی ثناء اللہ امرتسری اب میں عبد الحکیم کی نسبت کافی لکھ چکا ہوں۔ اور اگر خداوند تعالیٰ کی مرضی ہوئی اور اس کا فضل شامل حال ہؤا تو جن لوگوں کے دلوں میں کوئی شکوک ہوں گے وہ اس کو پڑھ کر رفع ہو جائیں گے۔ کیونکہ سوائے فضل خدا کے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا اور اس بارے میں تو خود اس کا اپنا کلام ہے کہ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔[۱] پس کون ہے جو دعویٰ سے کہہ سکے کہ میری تحریر سے ہر ایک شک و شبہ دور ہو جائے گا۔ انسان کا کام کوشش کرنا ہے۔ اور ہدایت محض خداوند تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ چنانچہ میں عبد الحکیم خاں کے باطل دعویٰ کا جواب دے کر مولوی ثناء اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں جو کہ امرت سر کے رہنے والے ہیں۔ اور بوجہ حضرت اقدس سے خاص بغض رکھنے کے احمدی جماعت کے اکثر لوگ ان کو جانتے ہیں۔ جیسے مسیح ناصریؑ کے وقت بعض فقیہہ اور فریسی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح آپ کو دکھ پہنچے ویسے ہی مولوی ثناء اللہ صاحب مسیح قادیانی کے پیچھے لگے رہے ہیں۔ مگر اس قدر فرق ہے کہ وہ لوگ کسی قدر شرافت سے کام لیتے تھے۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب تمسخر کا ایک زندہ پتلا ہے۔ اور اس کے علاوہ گالیاں دینے میں بھی آپ نے ایک خاص مہارت پیدا کی ہوئی ہے۔ غرض خدا کے فرستادہ کی مخالفت ہی ان کا کام ہے۔ اور اسی پر ان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ کوئی موقعہ ایسا نہیں گذرتا کہ یہ کچھ طعن و تشنیع نہ کریں۔ ہمارے سلسلہ کے لئے کوئی خوشی کا دن ہو یا غم کا ان کی ظریف طبیعت کے لئے ایک مشغلہ ہاتھ آجاتا ہے۔ ظرافت کے فن کے مشّاق سے مشّاق آدمی کسی بات کو معمولی تصور کریں مگر یہ اس پر قہقہہ اڑائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ زبان اردو کے گندے سے گندے شعر جو کسی دیوان سے مل سکیں وہ دینی معاملات میں آپ

[۱] فاطر: ۹

استعمال کرتے ہیں اور کثرت سے یاد کئے ہوئے ہیں۔ غرض تمسخر اور بد زبانی یہ دو گر ہیں جن میں آپ کو خاص ملکہ ہے۔ اور جو آپ کی ہر ایک تحریر میں پائے جاتے ہیں۔ خشیت تو خیر خاص خاص لوگوں میں ہوتی ہے۔ یہ شرافت کا بھی بعض موقعوں پر خیال نہیں رکھتے۔ احمدی جماعت کی جو خوبی ہے وہ ان کی نظر میں عیب دکھائی دیتی ہے۔ اور جو نیکی ہے یہ اس کو برائی تصور کرتے ہیں۔ اور دین کی خدمت کے لئے وہ خواہ کیسی ہی کوشش کرے یہ پھر بھی اس کو شرارت پر محمول کرتے ہیں۔ غرض کہ آپ کے خیال میں یا کم سے کم آپ کی زبان پر یہ بات ضرور ہے کہ احمدیوں کی نمازیں ریاء ہیں۔ روزے فریب ہیں۔ زکوٰۃ و خیرات سب دکھلاوے کے لئے ہیں۔ مخلوق خدا سے بھلائی ہے تو وہ صرف اپنے فائدہ کے لئے۔ غیر قوموں سے اسلام کی سچائی ثابت کرنے کے لئے مباحثے ہیں تو وہ صرف ذاتی نفعوں کے لئے ہیں۔ اور یورپ و امریکہ میں اسلام کی تبلیغ ہے تو نفسانی خواہش سے ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ برتن میں ہوتا ہے وہی نکلتا ہے۔ اور گندے دلوں کی زبان سے بھی نجاست ہی ٹپکتی ہے۔ اپنے خیالات چونکہ دنیاوی لالچ اور مالی ترقی سے پُر ہیں اس لئے اس خدا کے مصلح اور اس کی جماعت پر بھی وہی شک ہے۔ انبیاء اور ان کی جماعت ایک صاف و شفاف آئینہ کی طرح ہوتے ہیں۔ بدبخت لوگ اس میں اپنا چہرہ دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کی ایسی جماعت ہے حالانکہ وہ نہیں سمجھتے کہ خود ان کے دلوں میں ہی گندگی ہے اور وہ نجاست سے پر ہیں۔ اور ایک پھوڑے کی طرح ان کے جسم میں سوائے پیپ اور خون کے اور کچھ نہین۔ اور نہیں جانتے کہ بغض اور حسد نے ان کی آنکھیں بے نور کر دی ہیں۔ اور باوجود آنکھوں کے نہیں دیکھتے اور ان پر خدا کا غضب ایسا بھڑکا ہے کہ کان تو رکھتے ہیں مگر سن نہیں سکتے اور دل ہیں مگر پاکیزگی سے دور ہیں اور ان کی زبانیں ہیں جو برے کلمات کے بولنے میں قینچی سے زیادہ تیز چلتی ہیں مگر پھر بھی حق کے کہنے کے لئے وہ گونگے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک بڑا کام کر رہے ہیں اور رسولوں کی مخالفت ہماری دنیا سنوار دے گی۔ مگر نہیں جانتے کہ یہی کام ان کو دین سے کوسوں دور لے جا رہا ہے اور دوزخ کے دروازہ کی طرف ہدایت کر رہا ہے۔ کاش کہ وہ عقل سے کام لیتے اور فکر اور تدبر کرتے تو شاید ہلاکت سے بچ جاتے۔

غرض جب اس بدگمانی نے بہت ترقی کی اور ملک میں بھی اس کا اثر ہونے لگا تو حضرت اقدس کو اس کے روکنے کا خیال پیدا ہؤا۔ چنانچہ "قادیان کے آریہ اور ہم" کتاب کے شائع ہونے پر مولوی ثناء اللہ نے لکھا کہ میں قسم کھا سکتا ہوں کہ مرزا صاحب جھوٹے ہیں۔ اور ان کے الہام سراسر

کذب ہیں۔ اس پر ان کو لکھا گیا کہ آپ کو کتاب حقیقۃ الوحی شائع ہونے پر بھیج دی جائے گی۔ آپ اس کو پڑھ کر قسم کھا کر شائع کر دیں کہ یہ تمام الہامات جھوٹے ہیں اور کل معجزات غلط ہیں۔ اور یہ بھی لکھ دیں کہ اے خدا اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو میری دعا ہے کہ تیرے حکم لعنت اللہ علی الکاذبین کے مطابق تیرا عذاب مجھ پر نازل ہو۔ اور اس کے شائع ہونے کے بعد حضرت اقدس بھی شائع کر دیں گے کہ یہ تمام الہامات خدا کی طرف سے ہیں۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں۔ تو میری دعا ہے کہ لعنت اللہ علی الکاذبین۔ مگر مولوی ثناء اللہ جو سوائے باتیں بنانے کے اور کچھ جانتے ہی نہیں اور دین حق کا شرارت سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے اس بات کو مان کر کس طرح فیصلہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے بات کو ٹالنے کے لئے اس بات پر زور دینا چاہا۔ کہ پہلے عذاب کی تعیین کر دو۔ تو پھر میں مباہلہ کرتا ہوں۔ اور باوجود اس کے کہ قرآن و حدیث سے ان کو بتایا گیا اور ثابت کیا گیا کہ مباہلہ میں کوئی عذاب کی تعیین نہیں ہوتی بلکہ سوائے لعنت اللہ علی الکاذبین اور کچھ نہیں کہا جاتا۔ انہوں نے اپنے پہلے کلام سے پھرنا نہ چاہا اور خلاف حکم و سنت ایک نئی بدعت نکالنے پر زور دیتے گئے۔ اور اس کا سوائے اس کے کیا مدعا تھا کہ کسی طرح یہ پیالہ ان کے سر سے ٹل جائے اور وہ اس امتحان سے نجات پائیں۔ پس سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ فیصلہ کی کوئی اور راہ نکالی جائے۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے اس خیال سے کہ زیادہ تر مولوی ثناء اللہ کو خود اشتہار دینے کی دقت ہے اپنی طرف سے ایک اشتہار شائع کیا۔ اور اس میں اس قسم کی دعا کی کہ اے خدائے قادر چونکہ مولوی ثناء اللہ بد زبانی میں حد سے بڑھ گیا ہے اور میری نسبت تمام دنیا میں عام طور سے شائع کرتا ہے کہ یہ شخص کاذب ہے جھوٹا ہے اور فریبی ہے اور اس نے کوئی معجزات اور خوارق نہیں دکھلائے۔ گویا کہ یہ تمام میرے نفس کا افتراء ہے اور میں تیری طرف سے نہیں ہوں اور محض لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے میں نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ پس اے میرے مولیٰ اور میرے قادر خدا جو کہ میرے دل کی حالت کو جانتا ہے اور علم رکھتا ہے میں نے یہ افتراء نہیں کیا بلکہ تیری طرف سے حکم پا کر ایسا کیا ہے۔ سچے اور جھوٹے میں فرق کر کے دکھلا تاکہ دنیا گمراہی سے بچ جائے اور تو ایسا کر کہ اگر میں سچا ہوں تو ثناء اللہ کو میری زندگی میں کسی مہلک مرض میں گرفتار کر یا میرے سامنے ہی اسے موت دے ورنہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھے اس کی زندگی ہی میں اس دنیا سے اٹھا لے اور ثناء اللہ اور اس کے ساتھیوں کو اس سے خوشی پہنچا۔ اور اس دعا کے اوپر یہ بات صاف صاف لکھ دی کہ میں کسی الہام یا پیشگوئی کی بناء پر فیصلہ نہیں چاہتا بلکہ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ایسا کرے۔ اور اس کے آخر

میں یہ بھی لکھ دیا کہ مولوی ثناء اللہ اس دعا کو اپنے اخبار میں چھاپ کر جو چاہیں نیچے لکھ دیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔

اب ناظرین غور کر سکتے ہیں کہ یہ ایک فیصلہ کا طریق تھا جس سے جھوٹے اور سچے میں فرق ہو جائے اور اس کی غرض سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ حق اور باطل میں کچھ ایسا امتیاز پیدا ہو جائے کہ ایک گروہ بنی نوع انسان کا اصل واقعات کی تہہ تک پہنچ جائے اور شرافت اور نیکی کا مقتضا یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ اس دعا کو پڑھ کر اپنے اخبار میں شائع کر دیتا کہ ہاں مجھ کو یہ فیصلہ منظور ہے۔ مگر جیسا کہ میں پہلے لکھ آیا ہوں اس کو سوائے ہوشیاری اور چالاکی کے اور کسی بات سے تعلق ہی نہیں۔ اور اگر وہ ایسا کرتا تو خداوند تعالیٰ اپنی قدرت دکھلاتا۔ اور ثناء اللہ اپنی تمام گندہ دہانیوں کا مزہ چکھ لیتا۔ اور اسے معلوم ہو جاتا کہ ایک ذات پاک ایسی بھی ہے جو جھوٹوں اور سچوں میں فرق کر دکھلاتی ہے۔ اور وہ جو بدی اور بدذاتی کرتا ہے اپنے کئے کی سزا کو پہنچتا ہے اور شریر اپنی شرارت کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے۔ مگر جبکہ برخلاف اس کے اس نے اس فیصلہ سے بھی انکار کیا اور لکھ دیا کہ مجھ کو یہ فیصلہ منظور نہیں تو آج جبکہ حضرت صاحبؑ فوت ہو گئے ہیں۔ اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ میرے ساتھ مباہلہ کرنے کی وجہ سے فوت ہوئے ہیں۔ اور یہ میری سچائی کی دلیل ہے۔ کہاں تک انصاف پر مبنی ہے اور کیا کوئی انصاف پسند انسان ایسا بھی ہے جو ان تمام واقعات کو دیکھ کر پھر بھی اس بات پر شک لا سکے کہ مولوی ثناء اللہ کو سوائے اس دنیا کی شہرت سے اور کچھ مدنظر نہیں۔ اور وہ خدا جو آسمانوں کا خدا ہے اور جس کی ہر ایک دل پر نظر ہے اور جو ہر ایک چھپی اور کھلی بات کو جانتا ہے اس کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے اور اس کو اس کی ہستی پر ایمان نہیں۔ یہ دنیا کو ہی اپنا مال کار سمجھتا ہے اور روزِ حشر سے بے پرواہ ہے۔ چنانچہ اس دعا کے شائع ہونے کے بعد جن الفاظ میں اس نے اس فیصلہ سے انکار کیا میں وہ نیچے درج کرتا ہوں تاکہ ہر ایک انسان بطور خود مولوی ثناء اللہ صاحب کی چالاکی سے واقف ہو جائے اور جان لے کہ خدا تعالیٰ نے مسیحؑ کو بے وقت نہیں بھیجا غرض کہ مولوی صاحب اس فیصلہ سے انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس دعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی اور بغیر منظوری کے اس کو شائع کر دیا" ☆ میرا مقابلہ تو آپ سے ہے اگر میں مر گیا تو میرے مرنے سے اور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے * تمہاری یہ دعا کسی صورت میں فیصلہ کن نہیں ہو سکتی کیونکہ

☆ اسی مطلب کے لئے تو حضرت صاحبؑ نے یہ فقرہ لکھا تھا۔ کہ آپ اس دعا کو شائع کر کے جو چاہیں نیچے لکھ دیں۔ تاکہ خدا تعالیٰ بھی اسی رنگ میں نشان دکھاوے۔ منہ

* لوگوں پر تو حجت کچھ نہیں مگر آپ کے چیلے اور دیگر اہلحدیث جن کی نسبت لکھتے ہیں کہ کلکتہ تک آپ کو مباحثات پر بلاتے ہیں۔ تو اس فیصلہ سے ملزم ٹھہرتے ہیں۔ مگر اس فیصلہ کو منظور ہی نہیں کیا تو اب مباہلہ قرار دے کر کیوں عاقبت خراب کرتے ہو۔ منہ

مسلمان تو طاعونی موت کو بموجب حدیث شریف کے ایک قسم کی شہادت جانتے ہیں۔ پھر وہ کیوں تمہاری دعا پر بھروسہ کر کے طاعون زدہ کو کاذب جانیں گے۔ ☆ اور ان وجوہات کو لکھ کر اور اس آسان فیصلہ سے پہلو بچا کر آپ ان الفاظ میں صاف طور سے اس دعا سے انکار کر چکے ہیں۔ کہ مختصر یہ کہ میں تمہاری درخواست کے مطابق حلف اٹھانے کے لئے تیار ہوں۔ اگر تم اس حلف کے نتیجہ سے مجھے اطلاع دو۔ اور یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں۔ اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے۔ * (اخبار اہلحدیث ۲۶/ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۵، ۶) اب دیکھنا چاہیئے کہ مولوی ثناء اللہ نے اس دعا کے بعد اس فیصلہ سے صاف طور سے انکار کر دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس فیصلہ کا اثر سوائے میرے اور کس پر پڑ سکتا ہے۔ پس مجھ کو یہ فیصلہ منظور نہیں۔ اور آپ لکھتے ہیں کہ اگر عذاب مقرر کر دیا جائے تو میں مرزا صاحب کے جھوٹے ہونے پر قسم کھا سکتا ہوں۔ نہیں تو مجھ کو یہ فیصلہ منظور نہیں۔ حالانکہ بار بار لکھا گیا ہے کہ خدا کسی کے منہ کی بات پورا کرنے کا ذمہ دار نہیں۔ اور قرآن شریف سے عذاب کی تعیین دعا میں ثابت نہیں ہوتی۔ اور آپ نے یہ بھی لکھا کہ اس فیصلہ کو کوئی دانا منظور نہیں کر سکتا۔ اس پر مجھ کو بہت تعجب ہے۔ کیونکہ اب جبکہ مرزا صاحبؑ فوت ہو گئے ہیں مولوی ثناء اللہ دنیا کو دھوکا دینے کے لئے کیوں اس دعا کو لوگوں کے سامنے فیصلہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔ کیا وہ اس وقت دانا تھے۔ اور اب جاہل مطلق ہو گئے ہیں۔ کہ اب اس فیصلہ کو منظور کرنے لگے۔ کیا وہ اپنی ہی تحریر کے مطابق اب جاہل مرکب نہیں ٹھہرتے اور ان کی حماقت میں کچھ شک رہ جاتا ہے؟ کیونکہ اس وقت تو وہ صاف طور سے انکار کر چکے ہیں اور لکھ چکے ہیں کہ کوئی دانا اس فیصلہ

☆ اگر مسلمان اس وقت ایسا خیال کرتے ہیں۔ تو آپ ڈرتے کیوں ہیں آپ کے ہی بھائی بند طاعون ملعون کا لفظ لکھا کرتے ہیں۔ اسوقت شاید اور حالت میں ہوتے ہوں گے۔ حسد کا برا ہو یونہی ذکر کریں تو طاعون کو سو سو گالیاں دیں اور ہمارے مقابلہ پر آ کر اس کو شہادت کی موت قرار دیں اگر یہ شہادت تھی تو حضرت عیسیٰؑ نے اپنے دوبارہ آنے کی نشانی یہ کیوں بتائی کہ اس وقت طاعون پڑے گی۔ اگر اس کی موت ہر ایک کے لئے شہادت ہو تو مخالفین حضرت عیسیٰؑ تو اس موت سے آخرت کا توشہ جمع کرلیں گے۔ افسوس ایہ موت اگر شہادت ہے تو احمدیوں کے لئے کیونکہ ان کے نبی نے پہلے سے خبر دیدی تھی۔ کہ اب عنقریب اس ملک میں طاعون پڑنے والی ہے۔ اور وہ میری سچائی کا نشان ہوگی۔ پس اگر صحابہ کی طرح کوئی احمدی بھی اس میں مبتلا ہو جائے تو اس کے لئے شہادت ہے۔ نہ یہ کہ ملک کا ملک مرگیا۔ اور کہہ دیا کہ شہادت نصیب ہوئی۔ حالانکہ ایک مدعی نبوت اپنے آنے سے پہلے کہہ چکا ہو کہ طاعون میری سچائی ثابت کرنے کے لئے آنے والی ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَاُولِي الْاَبْصَار

* افسوس ان لوگوں کو کیا ہو گیا۔ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ مباہلہ کے لئے صرف اتنا کہنا چاہیئے کہ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ مگر یہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ عذاب کی تعیین کرو۔ کیا یہ بدبخت اس بات کو نہیں سمجھتے کہ نبی کریمؐ کے مخالفوں نے بھی تو کہا تھا فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الانفال: ۳۳) کیا ان پر یہی عذاب نازل ہوا تھا۔ بلکہ انہوں نے تو پھر بھی کچھ عقلمندی دکھائی تھی۔ کیونکہ ساتھ ہی وہ کہتے ہیں کہ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال: ۳۳) یعنی اگر منہ مانگا عذاب نازل نہیں ہو سکتا تو کوئی اور عذاب ہی ہم پر نازل ہو۔ اور اگر یہ لوگ یہ کہیں کہ نبی تو دعا میں عذاب کی تعیین کر سکتا ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ حضرت نوحؑ کی دعا کو دیکھو کہ وہ کیا دعا کرتے ہیں۔ کیا انہوں نے کسی عذاب کی تعیین کی ہے؟ نہیں ان کی دعا ایک بالکل سادہ دعا ہے کہ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا (نوح: ۲۷)

کو نہیں مان سکتا۔ اور اب جبکہ مرزا صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ تو اپنی ولایت ثابت کرنے کے لئے اشتہار دے دیا کہ اس دعا کے مطابق میں سچا ثابت ہؤا۔ لیکن اگر وہ غور کریں اور تدبر سے کام لیں تو ان پر کھل جائے گا کہ اس فیصلہ کو مان کر بجائے سچا ثابت ہونے کے وہ محض جاہل اور احمق ثابت ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ خود شائع کر چکے ہیں کہ اس کے ماننے والا دانا نہیں یعنی احمق ہے۔ اب ناظرین خود سوچ سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں کہ پہلے تو مباہلہ سے مولوی ثناء اللہ صاحب نے انکار کیا اور پھر جب دعا کا طریق فیصلہ کے لئے مقرر کیا کہ اس طرح حق ثابت ہو جائے اور جھوٹے اور سچے میں امتیاز ہو جائے تو اس نے اس کا بھی انکار کر دیا اور لکھا کہ اس کا اثر تو مجھ پر پڑتا ہے پھر اس کا کیا فائدہ مگر یہ نہ سمجھا کہ جب اسی نے قسم کھانے کی خواہش ظاہر کی تھی اور لکھا تھا کہ اگر عذاب معیّن کر دیا جائے تو میں قسم کھا سکتا ہوں۔ اس وقت بھی تو عذاب کا اثر اسی پر پڑتا تھا نہ کسی اور پر۔ پھر اس وقت کیوں بڑھ بڑھ کر خلاف سنت کہتا تھا کہ عذاب کی تعیین کر دو تو میں قسم کھا لیتا ہوں کہ مرزا جھوٹا ہے۔ کیا قسم کھانے کے وقت ثناء اللہ کی حیثیت اور تھی اور اس دعا کے شائع کرنے کے وقت اور یا محض بہانہ جوئی سے کام لیا گیا تھا۔ بہرحال جبکہ یہ خود انکار کر چکا ہے اور اس فیصلہ کو ردّ کر چکا ہے تو اب اس وقت اس کا پھر اسی دعا پر زور دینا شرارت نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا اسے معلوم نہیں کہ اس وقت اس نے اس طریق فیصلہ سے انکار کر دیا تھا اس کا اشتہار جو اس نے حضرت اقدسؑ کی وفات کے بعد دیا ہے ظاہر کرتا ہے کہ اس نے محض دھوکا دہی سے کام لیا ہے۔ کیونکہ اس میں اس نے مان لیا ہے کہ میں نے اس وقت اس طریق فیصلہ سے انکار کر دیا تھا اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ جان بوجھ کر حضرت کی وفات کو اس دعا کی بناء پر قرار دیتا ہے۔ کیونکہ باوجود اقرار کرنے کے کہ میں نے انکار کر دیا تھا پھر اپنی سچائی ظاہر کرتا ہے۔ کیا یہ اتنی بات سمجھنے سے بھی قاصر ہے کہ اس مباہلہ یا دعا کی ضرورت تو سچے اور جھوٹے کے فیصلہ کے لئے تھی۔ اور اسی لئے تھی کہ کاذب اور اس کے ساتھیوں پر حجت قائم ہو جائے اور وہ گمراہی سے بچ جائیں مگر جب اس نے اس فیصلہ سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ یہ ہمارے لئے کوئی حجت نہیں تو پھر اگر اس دعا کا اثر اس پر پڑتا اور یہ کسی عذاب میں مبتلا ہوتا تو صاف جواب دیتا کہ میں نے تو صاف انکار کر دیا تھا کہ یہ فیصلہ مجھے قبول نہیں پھر اس کے اثر کے کیا معنی اور اگر یہ حضرت کی زندگی میں مرجاتا تو اس کے چیلے لکھتے کہ ہمارا گرو اس فیصلہ سے انکار کر چکا ہے۔ اس لئے ہم پر اس کی موت سے کوئی حجت قائم نہیں ہوئی۔ پس جب خود اسی کے انکار سے واقعات کا پہلو بالکل بدل گیا ہے تو اب اس کا حضرت صاحب کی وفات پر یہ

ظاہر کرنا کہ میرے ساتھ مباہلہ کی وجہ سے وہ فوت ہوئے ہیں سراسر اتہام ہے اور تہمت ہے اور جھوٹ ہے۔ کیا یہ اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ اس نے اس وقت انکار کیا تھا اور اس دعا کے فیصلہ کو منظور نہیں کیا تھا۔ پس جب یہ خود اپنی زبان سے انکار کر چکا ہے اور اس طریق فیصلہ کو نامنظور کر چکا ہے۔ تو اب یہ کس طرح حضرت صاحب کی وفات سے اپنی سچائی ثابت کر سکتا ہے۔ اسے چاہیئے تھا کہ شرم کرتا اور حیا سے کام لیتا مگر حق کے مخالفوں سے ایسا کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ جھوٹ اور فریب سے کام لینا برا نہیں سمجھتے بلکہ ایک قسم کا ثواب سمجھتے ہیں۔ اس وقت تو سچائی کے رعب میں آکر اس نے حیلہ بازی سے اپنا سر عذاب الٰہی کے نیچے سے نکالنا چاہا مگر جب اس کے انکار مباہلہ سے وہ عذاب اور طرح سے بدل گیا تو اس نے اس منسوخ شدہ فیصلہ کو پھر دہرانا شروع کر دیا۔ مگر کیا یہ خیال کرتا ہے کہ وہ عذاب سے بچ جائے گا یا خدا کا غضب اس پر نہیں بھڑکے گا۔ نہیں اس کی یہ سراسر غلطی ہے جو اس کے مامور کا انکار کرتے ہیں وہ سزا سے نہیں بچتے اور خدا تعالیٰ انہیں بری طرح پیستا ہے اور دنیا پر ظاہر کر دیتا ہے کہ جھوٹے اور سچے میں کیا فرق ہے۔ اگر مولوی ثناء اللہ نے اس دعا کے فیصلہ سے انکار کر کے اس بات سے اپنے آپ کو بچا لیا ہے کہ یہ حضرت صاحبؑ کی زندگی میں فوت نہیں ہؤا تو کیا ہؤا۔ خدا کا کلام بڑے زور سے اطلاع دے رہا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے مخالف نہیں بچیں گے۔ اور وہ اس دنیا میں اور آخرت میں ذلت کا عذاب بھگتیں گے۔ اور خدا ان کو اس طرح ہلاک کرے گا کہ دنیا ان کا نام لیتے ہوئے شرمائے گی۔ اور آئندہ آنے والی نسلیں اپنی اولاد کو ان کے نام لے کر نصیحت کریں گی کہ دیکھو بدی کا بدلہ بدی ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے خدا کے مأمور کی دشمنی کی اور اس ذلت اور عذاب میں پڑے۔ پس کیا ہی خوش قسمت ہے وہ انسان جو روشنی سے فائدہ اٹھائے۔ اور کیسا بدبخت ہے وہ جو نصف النّہار کے وقت سورج کا انکار کرے۔ وہ جن کی آنکھیں تندرست ہیں روشنی پر خوش ہوتے ہیں۔ مگر وہ جو آشوب چشمی میں مبتلا ہیں روز روشن میں بھی اندھیرے میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ نہ صرف مولوی ثناء اللہ نے اسی وقت اس دعا کے اثر سے انکار کیا بلکہ پیچھے بھی اس سے انکار کرتا رہا۔ کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ جھوٹے اور شریر کے دل میں ایک قسم کا خلجان ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ میرے جھوٹ کی سزا مجھ کو ملے گی اور وہ شرارتیں جو میں نے کی ہیں وہ رنگ لائے بغیر نہیں رہیں گی اور ایک دن مجھے ان کی سزا برداشت کرنی پڑے گی۔ چنانچہ مئی ۱۹۰۸ء کے مرقع قادیانی میں اس بات سے ڈر کر کہ کہیں خداوند تعالیٰ اس شوخی اور شرارت کا مزہ

نہ چکھائے آپ نے یہ مضمون لکھا ہے اور اس میں آپ لکھتے ہیں کہ مجھ پر مرزا صاحب کے مباہلہ کا کوئی اثر نہیں ہؤا اور سال جو میعاد مباہلہ ہوتا ہے وہ گذر گیا- اور اس طرح آپ نے اپنی طرف سے زور لگایا ہے کہ یہ ثابت کر دیں کہ میعاد مباہلہ گذر گئی ہے- اب مجھ پر کوئی عذاب نہیں آنا چاہیئے- اور اب میں محفوظ ہوں- چنانچہ آپ حضرت اقدسؑ کی وفات سے چند دن پہلے اپنے ایک مضمون میں جو رسالہ مرقع میں پہلی جون کو شائع ہؤا لکھتے ہیں- "مرزائی جماعت کے جوشیلے ممبرو! اب کس وقت کے منتظر ہو تمہارے پیر مغاں کی مقرر کردہ مباہلہ کی میعاد کا زمانہ تو گذر گیا"- مگر افسوس کہ یہ بات لکھتے ہوئے شرم تو نہ آئی کہ میں اس دعا کو مباہلہ کا نام دیتا ہوں جس کا انکار کر چکا ہوں- جبکہ آپ اپنے اخبار اہلحدیث میں صاف طور سے اس دعا کے اثر کا انکار کر چکے ہیں اور لکھ چکے ہیں کہ میں اس طریق فیصلہ کو قطعاً نامنظور کرتا ہوں اور مجھے اس سے قطعی اتفاق نہیں اور کوئی دانا اس سے اتفاق نہیں کر سکتا- تو اب آپ کو کیا ہؤا کہ اپنے ہی قول کے مطابق بیوقوف اور جاہل بن کر اس کے مطابق فیصلہ چاہتے ہیں- خیر اس بات پر تو ہم کافی لکھ آئے ہیں- اس عبارت کے یہاں نقل کرنے سے ہمارا اصل مطلب یہ ہے کہ آپ نے نہ صرف اس دعا کے اثر سے انکار ہی کیا بلکہ ایک سال کی میعاد کے بعد اس کو مباہلہ کا نام دے کر اس کی میعاد کو ختم کر دیا چنانچہ مرقع کی مندرجہ بالا سطور سے جو اس کے صفحہ ۲۰ بابت جون ۱۹۰۸ء میں درج ہیں- اور جو کہ میں اوپر نقل کر آیا ہوں- صاف پتہ لگتا ہے کہ مولوی ثناء اللہ کے خیال میں اس دعا کی میعاد ختم ہو گئی ہے یا کم سے کم حق کے خوف سے ان کو مجبور کیا ہے کہ وہ ایسا مضمون لکھ کر اپنا پیچھا چھڑائیں- اور اپنے خیال میں اس عذاب سے بچ جائیں جو کہ ان کے لئے آسمان پر مقرر ہو چکا ہے- یا کم سے کم کسی مصیبت کے وقت یہ بات کہہ سکیں کہ میں اس دعا کے فیصلہ سے شروع میں بھی انکار کر چکا ہوں- اور مزید احتیاط کے لئے ایک سال کے بعد بھی میں نے اس کا انکار شائع کر دیا ہے- مگر جبکہ وہ دو دفعہ پہلے اس کا انکار کر چکے ہیں تو اب حضرت صاحب کی وفات کو اس دعا کی بناء پر کیوں ٹھہراتے ہیں- کیا خدا کا خوف ان کے دل میں اس قدر بھی نہیں کہ وہ کم سے کم اس بات کو ہمارے مقابل پر بطور دلیل کے نہ لائیں جس کا ماننا وہ خود دانائی سے بعید اور حماقت قرار دے چکے ہیں-

تیسری بات یہ ہے کہ کسی نبی کا دنیا میں مبعوث ہونا یا مأمور ہونا صرف اسی غرض کے لئے ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو راہ راست سے دور جا پڑے ہیں- اور طرح طرح کے دشوار گذار جنگلوں اور میدانوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں- ان کو صراط مستقیم پر چلایا جائے اور وہ لوگ جو خدا کے وجود کا انکار

کرتے ہیں۔ یا اس کی ذات میں کسی اور کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ ان پر خدا کی واحد ولا شریک ہستی کو ظاہر کیا جائے اور اس کے جلال کو دنیا میں قائم کیا جائے اور بدیوں اور بدکاریوں اور مختلف قسم کے گناہوں کی جڑ زمین سے اکھیڑ دی جائے اور ان تمام شیطانی کارروائیوں اور فریبوں اور مکروں کو برباد کیا جاوے اور خاک میں ملا دیا جائے جو کہ خدا تعالیٰ کی محبت کے راستہ میں کئے جاتے ہیں اور تاکہ ایسا ہو کہ خدا کے نام کی برکت پھر دنیا میں پھیلائی جائے اور سعید دلوں سے اس کی دوری کا بیج نکال دیا جائے اور بجائے کفر کی پلیدیوں اور گندگیوں اور نجاستوں کے پودا کے ایمان اور تقویٰ کا مضبوط اور سایہ دار درخت لگایا جائے اور انسانوں کے دلوں میں الفت اور محبت اور یگانگی پیدا کی جائے اور حسن ظنی کے وسیع اور با امن راستہ پر ان کو بلایا جائے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انسان کو گمراہی اور ضلالت میں چھوڑ دے۔ چنانچہ جب کبھی شرک اور بدعت اور فسق و فجور دنیا میں پھیل جاتے ہیں اور گناہوں سے دنیا بھر جاتی ہے اور وہ جو پاک اور مقدس ہوتے ہیں ان پر ہنسی کی جاتی ہے اور دین کی باتوں کو ٹھٹھے میں اڑایا جاتا ہے اور خدا کے نام کی پرواہ نہیں کی جاتی اور اس کا جلال دلوں سے اٹھ جاتا ہے اور ایک ایسا اندھیرا دنیا پر چھا جاتا ہے کہ آفتاب وحدت کا روشن چہرہ بالکل چھپ جاتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اس زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا کوئی نہیں اور مختلف قسم کے بتوں کی پوجا کی جاتی ہے کوئی تجارت کو اپنا رزاق سمجھتا ہے تو کوئی زراعت کو اور بہت سے ہوتے ہیں جو اس خدائے قادر کی بجائے ضعیف اور ناتواں انسان کی پرستش کرتے ہیں اور ایک کثیر تعداد مخلوق کی بے جان چیزوں سے اپنی حاجت روائی کرنا چاہتی ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور زمین اور پہاڑ اور دریا اور جنگل اور درخت اور پتھر اور لکڑی اور تصویروں کو خدا کا قائم مقام سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہ ایک زمانہ ہوتا ہے کہ دنیا خدا کی سلطنت کی بجائے شیطان کی سلطنت کو قبول کر لیتی ہے اور بنی نوع انسان کا دشمن ایک دوست کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ ایسے وقت میں خدا کی غیرت جوش میں آتی ہے اور اس کا رحم اور غضب ایک ہی وقت میں بھڑک اٹھتے ہیں۔ اور وہ ارادہ کر لیتا ہے کہ دنیا سے گناہوں کو دور کیا جائے۔ اور اس کا چہرہ پھر دوبارہ روشن کیا جائے اور بعد اور دوری کے بادلوں کو اس کے آگے سے ہٹا دیا جائے۔ اور اس کی بجائے اس کی رحمت کی بارش دنیا پر ہو اور محبت اور پیار کی خوشگوار ہواؤں کے جھونکوں سے ان پاکباز روحوں کے دماغوں کو معطر کیا جائے جو کہ خدا کی بادشاہت کے لئے مدتوں سے غم کرتے اور رنج اٹھاتے ہیں۔ اور یہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ اس کے غضب کی کوئی انتہاء نہیں ہوتی کیونکہ بدکار

لوگ بدی میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور وہ ایسا غصہ میں ہوتا ہے کہ گویا کبھی بھی ایسا خشم ناک نہیں ہؤا۔ مگر ساتھ ہی وہ اسی وقت اور انہیں دنوں میں ایسا مہربان ہوتا ہے کہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے زیادہ وہ پہلے بھی کبھی مہربان ہؤا کیونکہ یہ وقت اس کے پیارے بندوں کے انعامات حاصل کرنے کا ہوتا ہے۔ اور وہ جو بدیوں کو چھوڑتے ہیں اور نیکی کی طرف راغب ہوتے ہیں اس کے بے پایاں رحم اور احسان کے لذیذ اور خوشبودار پھلوں کو کھاتے ہیں اور ایسے امن کی حالت میں ہوتے ہیں کہ گویا جنت ان کے لئے دنیا ہی میں اتر آئی ہے اس وقت دنیا سے بدی کو دور کرنے اور نیکی کو پھیلانے کے لئے خدا اپنے بندوں میں سے کسی کو چن لیتا ہے اور اپنا کلام اس پر نازل کرتا ہے اور اپنی رحمتیں اور برکتیں اس کے شامل حال کر دیتا ہے اور ہر حال اور ہر مقام میں اس کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ جو اس بندے کو دکھ دیتا ہے گویا خدا کو دکھ دیتا ہے۔ اور وہ جو اس کے ساتھ ہوتا اور اس کے کام میں ہاتھ بٹاتا ہے گویا خدا کے ساتھ ہوتا اور اس کی مرضی کے لئے کام کرتا ہے۔ پس اصل غرض جو ایک نبی کی بعثت کی ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ دنیا سے بدی اور بدکاری کو دور کیا جائے اور اس کی بجائے نیکی اور تقویٰ کو رواج دیا جائے اور بجائے شیطان کی سلطنت کے خدا کی سلطنت قائم کی جائے چنانچہ جو لوگ ان کی بعثت کی اصل غرض سمجھ لیتے ہیں وہ کبھی ٹھوکر نہیں کھاتے پس جبکہ یہ صاف ظاہر ہے کہ ان کے آنے کی اصل غرض اصلاح ہے تو ہر ایک چشم بصیرت رکھنے والا انسان سمجھ سکتا ہے کہ ان کے ہر ایک کام میں بھی اصلاح ہی مدنظر ہو گی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کی تمام پیشگوئیاں اور معجزات بھی اسی غرض کے پورا کرنے کے لئے ہوں گے۔ پس جبکہ یہ بات ثابت ہو گئی تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ حضرت اقدس بھی اسی غرض کے پورا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اور انکی رسالت سے اصل غرض خدا تعالیٰ کی یہ نہ تھی کہ آتھم مرے یا لیکھرام قتل ہو یا آسمان پر چاند اور سورج کو گرہن لگے یا زمین پر طاعون پھیلے یا کانگڑہ اور سان فرانسسکو میں زلزلے آئیں بلکہ اصل غرض یہ تھی اور اسی لئے وہ مبعوث ہوئے تھے کہ اصلاح ہو۔ اور اگر کوئی پیشگوئی کی جاتی تھی تو اس لئے کہ اصلاح ہو اور لوگ اس نشان کو دیکھ کر اس کی شناخت کریں۔ اور اگر کسی کی موت کی خبر دی جاتی تھی تو وہ بھی اس لئے کہ حق کے دشمنوں پر ایک حجت قائم ہو اور سعید روحیں اصلاح حاصل کریں چنانچہ ہر ایک نبی کے وقت جو وعید کی پیشگوئیاں ٹل جاتی تھیں اور بعض دفعہ التواء میں پڑ جاتی تھیں تو اس کی اصل وجہ بھی یہی ہوتی تھی۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ اصلاح کی کوئی اور صورت پیدا کر دیتا تھا تو پھر اس عذاب کی ضرورت نہیں رہتی

تھی۔ اور وہ یا تو ایک وقت تک ملتوی ہو جاتا تھا یا منسوخ ہو جاتا تھا۔ اور اسی سنت اللہ کے مطابق خدا تعالیٰ نے اس وقت بھی اپنے نبی سے سلوک کیا اور حضرت اقدسؑ کے عہد بابرکت میں بھی اسی طرح ہؤا جیسے پہلے نبیوں کے زمانہ میں۔ اور جب کوئی وعید کی پیشگوئی ہوئی یا کسی اور صورت سے کسی دشمن کو عذاب کا وعدہ دیا گیا اور اصلاح کی کوئی اور صورت نکل آئی تو پھر وہ وعید کی پیشگوئی ٹل گئی۔ چنانچہ آتھم کے وقت میں بھی ایسا ہی ہؤا کہ جب اس نے رجوع کیا اور اپنے دل میں سخت ڈرا اور عین مباہلہ کے وقت امرتسر میں اس نے نبی کریم ﷺ کو گالیاں نکالنے سے انکار کیا جو کہ بنائے مباہلہ تھی تو خداوند تعالیٰ نے اس پر سے عذاب کو ٹال دیا اور اس کو ڈھیل دی اور وہ پندرہ ماہ سے زیادہ زندہ رہا۔ لیکن جب اس نے قسم کھانے سے انکار کیا اور پھر مفسدہ کا خوف ہؤا تو خداوند تعالیٰ نے اصلاح اسی میں دیکھی کہ پھر اسی مدت (پندرہ ماہ میں) اسے ہلاک کیا جائے اور پہلے جو اس کو ڈھیل دی گئی تو صرف اسی وجہ سے کہ اس نے اپنے نفس کی اصلاح کی لیکن جب اس نے پھر شرارت کی تو ملک کی اصلاح اس میں تھی کہ اس کو ہلاک کیا جاتا چنانچہ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔ اسی طرح ثناء اللہ کے لئے بھی حضرت اقدس نے جو بد دعا کی تو اس لئے کہ دنیا میں اصلاح ہو اور وہ لوگ جو اس کے زیر اثر ہیں وہ اس عذاب کو دیکھ کر ڈریں اور توبہ کریں۔ اور ان پر حجت قائم ہو جائے۔ پس اس دعا کا اصل مدعا ثناء اللہ کی پارٹی پر اتمام حجت کرنا تھا کیونکہ کسی شخص کی وفات سے یا ہلاکت سے اس کے دشمنوں پر کیا اثر ہو سکتا ہے وہ تو کہہ دیں گے جھوٹا تھا ہلاک ہو گیا مگر وہ جو اس کے دوست ہیں اور اس سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کی عزت انکے دلوں میں ہے اس کی موت سے نصیحت پکڑ سکتے ہیں اور اپنی اصلاح کر سکتے ہیں اور ان پر اتمام حجت ہو سکتا ہے۔ پس دعا جو ثناء اللہ کے لئے کی گئی تھی اس کا اثر صرف اس کے پیروان پر ہو سکتا تھا اور وہی تھے جن کے سامنے ہم یہ بات پیش کر سکتے تھے۔ کہ ثناء اللہ مرزا صاحب کی دعا کے مطابق مر گیا۔ لیکن جب ثناء اللہ نے محض شرارت اور چالاکی سے اس دعا کے فیصلہ سے انکار کر دیا۔ اور صاف لکھ دیا کہ میرا مرنا کسی کے لئے کوئی حجت نہیں اور میری موت سے مرزا صاحب کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور یہ بھی لکھا کہ اس فیصلہ کو میں منظور نہیں کرتا۔ چنانچہ اہلحدیث ۲۶/ اپریل ۱۹۰۷ء میں درج ہے کہ "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے۔" پس جبکہ ثناء اللہ نے اس فیصلہ کو دانائی سے بعید اور ناقابل منظوری سمجھ کے رد کر دیا تو پھر اس کی پارٹی پر اس کی موت کا کیا اثر پڑ سکتا تھا۔ اگر یہ مر جاتا تو وہ کہہ دیتے کہ ہمارا استاد تو لکھ گیا ہے کہ یہ فیصلہ مجھے منظور نہیں پھر ہمارے لئے یہ کیونکر

قطعی ہو سکتا ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ نے چاہا کہ اسی کے قول کے مطابق اس کو پکڑے اور ملزم کرے- تاکہ ایسا ہو کہ وہ کام جس کے لئے حضرت مسیح موعودؑ مبعوث ہوئے تھے پورا ہو اور دنیا میں اصلاح کا بیج بو یا جائے-

پس چونکہ ان کی بعثت کی اصل غرض ثناء اللہ کا مارا جانا نہ تھی بلکہ سنت انبیاءؑ کے مطابق دنیا کی اصلاح تھی-اس لئے خداوند تعالیٰ نے اسکو اسی کے قول کے مطابق پکڑا چنانچہ حضرت اقدس کی دعا نقل کرتے ہوئے اہلحدیث میں ایک نوٹ دیا ہے-جو اس کے نائب اڈیٹر کی طرف سے ہے-اور اس نے اس کی کوئی تردید نہیں کی اور نہ کبھی اس کے خلاف لکھا وہ نوٹ یہ ہے کہ "آپ اس دعویٰ میں قرآن شریف کے صریح خلاف کہہ رہے ہیں قرآن تو کہتا ہے کہ بدکاروں کو خدا کی طرف سے مہلت ملتی ہے-سنو قُلْ مَنْ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا (مریم:۷۶) اور اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا (آل عمران:۱۷۹) اور وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (البقرہ:۱۶) وغیرہ آیات تمہارے دجل کی تکذیب کرتی ہیں اور سنو بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۤءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ (الانبیاء:۴۵) جن کے صاف معنی یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ جھوٹے دغاباز مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے- تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کرلیں پھر تم کیسے من گھڑت اصول بتلاتے ہو کہ ایسے لوگوں کو بہت عمر نہیں ملتی- کیوں نہ ہو-دعویٰ تو مسیح، کرشن اور محمدؐ واحمد بلکہ خدائی کا ہے اور قرآن میں یہ لیاقت؟ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ" پس اب ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اگر ثناء اللہ مرجاتا تو اس کے تابعین یا ہم خیالوں پر کیا اثر پڑتا یا ان پر اتمام حجت کیونکر ہوتی-وہ تو صاف کہہ دیتے کہ ہم تو پہلے ہی کہہ چکے تھے اور ہمارا استاد ہم سے اتفاق رکھتا تھا کہ جھوٹے کو زیادہ عمر ملتی ہے اور مفسد اور کذّاب ڈھیل دیئے جاتے ہیں پس ہم پر کیا اتمام حجت ہے اور اس کی تائید میں اہلحدیث ۲۶/ اپریل ۱۹۰۷ء کے صفحہ ۴ کا وہ نوٹ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں پیش کر دیتے اور اس طرح وہ اصلاح جس کو مدنظر رکھ کر وہ دعا شائع کی گئی تھی نہ ہوتی-پس خدا تعالیٰ نے خود انہیں کے مقولوں کے مطابق ان کو پکڑا اور اپنا کلام پورا کیا کہ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى یعنی جھوٹے اور مفسد لوگ خواہ کوئی راہ اختیار کریں خداوند تعالیٰ ان کو کامیاب نہیں کرتا- بلکہ انہیں کے اصولوں کے مطابق ان کو پکڑتا ہے- دیکھو یہ کیسی بات صاف ہے-کہ غلام دستگیر قصوری، اسماعیل علیگڈھی، چراغ دین جمونی اور فقیر مرزا ان کا یہ مذہب تھا کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے-اور وہ جو خدا پر افتراء کرتا ہے لمبی عمر نہیں پاتا-اور صادق کو خداوند تعالیٰ برخلاف

جھوٹوں کے دیر تک زندہ رکھتا ہے- اور انہوں نے اس عقیدہ کو مد نظر رکھ کے خدا سے دعا کی کہ چونکہ تو جھوٹوں کو ڈھیل نہیں دیتا- اور صادق کو نصرت دیتا ہے اس لئے جھوٹے پر تیری لعنت ہو- اور جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جائے اور یہی اسلام نے مباہلہ کا طریق رکھا ہے کہ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کہہ دیں پس خداوند تعالیٰ نے ان کو اسی راہ سے پکڑا اور ان کے قول کے مطابق ہی ان کو سزا دی اور جس طریق پر وہ اس کے رسول کو جھوٹا کرنا چاہتے تھے خود ان کو جھوٹا ثابت کیا- مگر اس کے برخلاف ثناء اللہ اور اس کی پارٹی کا عقیدہ یہ تھا- کہ جھوٹے کو لمبی عمر ملتی ہے- اور کاذب ڈھیل دیا جاتا ہے- اور حضرت اقدسؑ کی دعا کے مقابل پر اہلحدیث ۲۶/اپریل ۱۹۰۷ء میں یہ شائع بھی کیا چنانچہ خدا نے اس کو ڈھیل دی- اور اسی کے اعتقاد کے مطابق اس پر اور اس کے چیلوں پر اتمام حجت کیا پس کیا یہ ایک صاف بات نہیں کہ ایک شخص کے برخلاف جب چند آدمی یکے بعد دیگرے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ تو جھوٹا ہے اور ہم سچے اور سچا جھوٹے کے مقابلہ پر فتح پاتا ہے اور جھوٹا اس کی زندگی میں ہلاک کیا جاتا ہے- تو وہ خود اپنی اپنی باری میں ہلاک ہو جاتے ہیں- اور اس کی سچائی پر مہر کر جاتے ہیں- مگر ایک اور شخص اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بات جھوٹ ہے کہ سچا دیر تک زندہ رہتا ہے اور جھوٹا اس کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے بلکہ قرآن شریف سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جھوٹے کو ڈھیل دی جاتی ہے- اور وہ لمبی عمر پاتا ہے اور یہ اس کے کذّاب مفسد اور دغا باز ہونے کی نشانی ہوتی ہے اور اسکے بعد خدا تعالیٰ ایسے کہنے والے کو ڈھیل دیتا اور اسی کے قول کے مطابق اس لئے اس کو زندہ رکھتا ہے کہ وہ شرارت میں حد سے بڑھ جائے- اور گناہوں کو انبار در انبار اکٹھا کرلے تو کیا یہ اسی کے قول کے مطابق اس کے کذّاب اور مفسد ہونے کی دلیل نہیں؟ اس سے پہلے کئی بدبختوں نے یہ نسخہ آزمایا کہ جھوٹے سچوں کی زندگی میں ہلاک ہو جاتے ہیں- اور ان کو خدا نے ذلیل و خوار کیا- اور وہ سچے کے دیکھتے دیکھتے ہلاک ہوئے- اور خدا کے روبرو سیہ رو ہو گئے اور اپنی بدبختی پر مہر لگا گئے- اور اپنے جھوٹ کا ثبوت دے گئے لیکن ان کے بعد مولوی ثناء اللہ نے پہلے قول کے برخلاف کہا کہ جھوٹے کی لمبی عمر ہوتی ہے- پس خدا تعالیٰ نے سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ (القلم: ۱۷) کے مطابق اس کو لمبی عمر دی اور اس کے ناک پر داغ لگایا- اور اس کے زندہ رہنے نے اسی کے قول کے مطابق اس کو جھوٹا دغا باز مفسد اور نافرمان قرار دیا- اور حضرت اقدس کی سچائی ثابت کی- پس باوجود اس کے کہ اس شخص پر یعنی ثناء اللہ امرتسری پر خدا تعالیٰ نے ہر طرح حجت قائم کر دی ہے- اور ثابت کر دیا ہے کہ یہ شخص محض جھوٹا اور مفتری ہے اور کذّاب ہے- اور

خدا اور اس کے رسول پر ٹھٹھا کرتا ہے۔ اور فریب اور مکر دینا اس کا کام ہے۔ سچ سے متنفر ہے اور جھوٹ پر قربان ہے مگر ابھی اس کا وہ طریقہ نہ گیا۔ اور اس نے کوئی ہدایت نہ پائی اور سمجھا کہ خدا کا کلام اس پر سے ٹل جائے گا کیا یہ نہیں جانتا کہ خدا کی باتیں پوری ہو کر رہتی ہیں۔ اور اس کو جو ڈھیل دی گئی ہے وہ صرف اس لئے ہے کہ یہ خود اپنے قول کے مطابق کذّاب ثابت ہو اور اس کے بعد ذلّت کے عذاب سے ہلاک ہو تاکہ دنیا دیکھ لے کہ مفتری کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اور جھوٹے آسمانی عذاب سے ہلاک ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ اس کے بعد میں ایک اور قول اس کے رسالہ مرقع قادیانی میں سے نقل کرتا ہوں جس سے میرے پہلے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص عبدالحق سرہندی کا مضمون اس میں شائع ہؤا ہے اور اس میں اس شخص نے لکھا ہے کہ مرزا صاحب اور مرزائیوں سے یہ سوال ہے کہ اگر جھوٹے کا سچے کی زندگی میں مرنا واقعی ضروری اور قانون الٰہی ہے جیسا کہ آپ کی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے تو معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد۔ کیا محمد رسول اللہ ﷺ مسیلمہ کذّاب سے پہلے انتقال فرمانے کے باعث اسی جنرل رول (General Rule) کے زیر اثر ہیں؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ! بریں عقل و دانش بباید گریست۔ اور اس مضمون کی اس نے قطعاً تردید نہیں کی اور کیوں کرتا اس نے تو خود اپنے آپ کو ہی الزام سے بچانے کے لئے یہ کوشش کی تھی۔ اب ناظرین اس مضمون کو دیکھ کر خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس نے معیار سچے اور جھوٹے کے پرکھنے کا یہ رکھا تھا کہ جھوٹا لمبی عمر پاتا ہے اور یہ اس کے قول کے مطابق نہ صرف قرآن شریف سے ہی ثابت ہے بلکہ مسیلمہ کا زندہ رہنا اس کی دلیل ہے۔ پس جب اس نے خود فیصلہ کی بنیاد اس پر رکھی کہ جھوٹے کو ڈھیل دی جاتی ہے تو خدا تعالیٰ نے بھی اس سے ویسا ہی سلوک کیا۔ کیونکہ کسی پر حجت قائم کرنے کے لئے چاہیئے کہ کوئی ایسی طرز نکالی جائے جس سے اسے اتفاق ہو جائے۔ اس سے پہلے چند لوگوں نے جھوٹے کے لئے ہلاکت بتائی وہ حضرت اقدسؑ کی زندگی میں ہلاک ہو گئے۔ اس نے لکھا کہ مسیلمہ کذّاب نبی کریم ﷺ کے بعد بھی زندہ رہا اس لئے یہ کوئی دلیل نہیں بلکہ جھوٹے کو لمبی عمر دی جاتی ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے ویسا ہی کیا اور اسکو اسی کے قول کے مطابق قائل کیا اور نادم کیا اور ثابت کر دیا کہ ثناء اللہ مسیلمہ کذّاب کی طرح ہے اور ان لوگوں کی طرح ہے جن کی نسبت قرآن شریف میں ڈھیل دینے کا حکم ہے۔ اور حضرت اقدسؑ احمدؐ کے غلام ہیں۔ اور ان کے پیرو ہیں اور ہر ایک بات میں ان کے قدم بقدم چلنے والے ہیں۔ اور ان سے بھی خدا وہی سلوک کرتا ہے جو پہلے نبیوں سے کرتا تھا۔ پس ناظرین جائے غور ہے کہ حضرت

اقدسؑ پر دو طرح سے حملہ کیا گیا ہے۔ ایک تو ایسے لوگوں نے حملہ کیا ہے جو یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتا ہے اور خدا سے دعا کی کہ وہ اس قانون کے مطابق سچے اور جھوٹے میں فرق کر کے دکھلائے۔ اور امید ظاہر کی کہ چونکہ حضرت اقدس نعوذ باللہ جھوٹے ہیں۔ اس لئے وہ ان کی زندگی میں ہلاک ہو جائیں گے۔ اور چونکہ وہ سچے ہیں اس لئے وہ ان کے بعد تک زندہ رہیں گے۔ چنانچہ خداتعالیٰ نے ان کی دعا سنی اور فیصلہ کر دیا کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے اور ان کو حضرت اقدسؑ کی زندگی میں ہلاک کیا اور ذلیل کیا۔ اس کے بعد مولوی ثناء اللہ نے یہ رنگ بدلا کہ جھوٹا زیادہ عمر پاتا ہے۔ پس خداتعالیٰ نے اس کو اس کے قول کے مطابق ہی جھوٹا ثابت کیا۔ اور حضرت اقدسؑ کی سچائی پر مہر کی۔ اور یہ اس لئے ہؤا کہ جیسا کہ میں پہلے ثابت کر آیا ہوں کہ کسی نبی کے آنے کا یہ مدعا نہیں ہوتا کہ وہ چند لوگوں کے مرنے کی پیشگوئیاں کر دے۔ اور وہ پوری ہو جائیں یا یہ کہ چند اور غیب کی خبریں دے جو اسی طرح واقع ہوں بلکہ ان کی آمد کا اصل منشاء اصلاح ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کے مخالفین پر کئی طریقوں سے اتمام حجت کی جاتی ہے۔ اور دنیا پر اس رسول کی سچائی ثابت کی جاتی ہے۔ پس اسی طرح حضرت اقدس کے مخالفین سے ہؤا۔ ان کا انکار یا ہلاک کرنا بعثت کا اصل سبب نہیں تھا۔ بلکہ ان کے ساتھیوں پر اور خود ان پر حجت قائم کرنے کے لئے انذاری پیشگوئیاں کی گئی تھیں یا اور طریق سے فیصلہ لکھا گیا تھا۔ اور اصل مقصد آپ کی بعثت کا اصلاح قومی تھا۔ پس جب ثناء اللہ نے اور اس کے مریدوں نے ظاہر کیا کہ جھوٹے کو لمبی عمر ملتی ہے۔ تو خداتعالیٰ نے اس گروہ پر حجت قائم کرنے کے لئے اسی طریق سے ان کو پکڑا تاکہ دنیا میں اصلاح کی صورت نظر آئے۔ اب اگر کوئی کہے کہ اچھا پھر اتمام حجت سے نتیجہ کیا نکلا اور اس کا فائدہ کیا ہؤا۔ جبکہ وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنّتِ الٰہیہ اسی طرح ہے کہ پہلے ہر ایک سلسلہ حقہ کی مخالفت کی جاتی ہے اور بعد ازاں جب خوب اچھی طرح تبلیغ ہو جاتی ہے۔ اور لوگ الگ بیٹھ کر تمام واقعات پر تدبر کرتے ہیں۔ تو ان کو سمجھ آجاتی ہے کہ کون حق پر ہے۔ اور کون جھوٹ کے پیچھے پڑا ہؤا ہے۔ پس جبکہ کچھ عرصہ گذر جائے گا اور لوگ غور کریں گے تو خود بخود ان پر اصل راز کھل جائے گا۔ اور دوسرے ایسے لوگوں کا جواب وہی ہے جو وہ اس آیت کا دیتے ہیں کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء: ۴) یعنی خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تو اپنی جان کو اس غم میں ہلاک کر دے گا کہ یہ لوگ تیری بات نہیں مانتے اور ایمان نہیں لاتے۔ پس جب نبی کریم ﷺ جیسے عظیم الشان نبی کے اتمام حجت پر بھی لوگوں نے نہیں مانا اور اس کا ان کو

اتنا غم ہؤا کہ گویا اس غم میں اپنی جان کو ہی ہلاک کردیتے اور ہر وقت اسی فکر میں رہتے تھے تو آج اگر ان کے غلام اور تابع کی بات کو سن کر اور اتمام حجت کے بعد یہ لوگ نہ مانیں تو کیا تعجب ہے کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ ایک تو نبی کے وقت قدرت دکھائی جاتی ہے۔ اور ایک اس کے بعد جس سے وہ سلسلہ جو قائم ہوتا ہے تمام دنیا میں پھیل جاتا ہے پس اب وقت آگیا ہے کہ سلسلہ احمدیہ خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ سنت کے مطابق ترقی کرے (انشاء اللہ) غرض کہ ثناء اللہ اور اس کے ساتھیوں پر خود انہیں کے قول کے مطابق حجت قائم ہو گئی ہے اور یہ میں خوب اچھی طرح ثابت کر آیا ہوں کہ اگر ایسا نہ ہوتا اور وہ حضرت اقدسؑ کی زندگی میں ہی مرجاتا تو آئندہ لوگ کہتے کہ اصل فیصلہ کا طریق یہی ہے کہ جھوٹے کو عمر لمبی ملتی ہے اور پہلے لوگوں نے مباہلہ میں غلطی کی۔ اور ثناء اللہ نے چونکہ ٹھیک راہ اختیار کی تھی اس لئے حضرت اقدسؑ کو ڈھیل دی گئی۔ اور اس طرح وہ کذّاب ثابت ہوئے پس جب خدا تعالیٰ کی غیرت نے برداشت نہ کیا کہ اس کے نبی پر کوئی الزام رہے اور اس نے اپنے فرستادہ کے ساتھ اپنے وعدہ کے مطابق سلوک کیا۔ اور اس کو وفات دے کر اس الہام کو پورا کیا کہ لَا نُبْقِیْ لَکَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا۔ چنانچہ جب تک لوگوں نے جھوٹے کے لئے سچے کی زندگی میں مرجانا معیار مقرر کیا۔ تب تک تو وہ خود ہلاک ہوتے رہے اور حضرت مسیح موعودؑ کی سچائی کو اپنی موت سے ثابت کرتے رہے۔ اور جب معیار صداقت یہ مقرر ہؤا کہ سچا جھوٹے کے سامنے ہی فوت ہو جاتا ہے۔ جیسے نبی کریم ﷺ مسیلمہ کذاب کے سامنے اور جھوٹا لمبی عمر پاتا ہے تو خدا تعالیٰ نے اس معیار کے مطابق ثناء اللہ کو ڈھیل دے کر مسیلمہ کذاب سے مشابہت دی اور حضرت اقدسؑ کی سچائی کو ثابت کیا۔ پس جبکہ اسی کے مقرر کئے ہوئے معیار کے مطابق اس کو ڈھیل دی گئی ہے اور آدمؑ اول کی طرح آدمؑ ثانی کے ایک مخالف پر بھی اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (الحجر:۳۹) کا فتویٰ جاری ہؤا ہے تو پھر ثناء اللہ کیوں بڑھ بڑھ کر باتیں بناتا ہے۔ خود اس کی تحریر اور اس کے دوستوں کی تحریر اس کو ملزم کر رہی ہے اور یہ اپنے منہ سے جھوٹا ثابت ہوا ہے۔ تو پھر یہ شور و شر اور دعاوی باطلہ اگر محض بے شرمی اور بے حیائی کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے۔ مگر اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ آدمؑ اول کے مخالف کو تو لمبی ڈھیل دی گئی تھی کیونکہ اس نے لمبی ڈھیل کی ہی خواہش کی تھی لیکن چونکہ اس نے صرف اس قدر عمر چاہی تھی کہ سچے کے فوت ہونے کے بعد بھی زندہ رہے اور اپنی دروغ بیانی پر مہر لگا جائے اور آدم ثانیؑ کے وقت شیطان کا مارا جانا بھی ایک فیصلہ شدہ امر ہے اس لئے جلد ہی اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اور اس طرح کہ دنیا مان لے گی کہ یہ

معمولی موت نہیں بلکہ اس موت نے ایک نبی کی سچائی پر شہادت دی ہے- اور یہ بات میں نہیں کہتا بلکہ خدائے زمین و آسمان کہتا ہے اور اس کی بات ٹلا نہیں کرتی پس وہ جو زندہ رہیں گے دیکھ لیں گے- کہ جس طرح ثناء اللہ کے زندہ رہنے نے اس کے کذب پر مہر لگائی ہے- ویسا ہی اس کی موت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کی ایک دلیل ہو گی- انشاء اللہ العزیز-

ایک اور اعتراض کیا جاتا ہے کہ جس کا جواب دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ جب حضرت اقدسؑ کا الہام تھا کہ تیری دعا سنی گئی تو پھر آپ پہلے کیوں فوت ہوئے- سو یاد رہے کہ اس کا جواب میں اوپر دے آیا ہوں کہ کسی نبی کی بعثت کی اصل غرض بعض اشخاص کی وفات یا بعض جگہوں کی تباہی نہیں ہوتی بلکہ اصلاح خلق اصل غرض ہوتی ہے پس وعید کی پیشگوئیاں اگر ٹل جاتی ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ اصلاح کی کچھ اور صورت پیدا ہو جاتی ہے- جب حضرت اقدسؑ نے ثناء اللہ کی نسبت دعا کی اور خدا تعالیٰ نے آپ کو اس کی ہلاکت کی خبر دی تو وہ ایک وعید کی پیشگوئی ہو گئی- پس چونکہ وعید کی پیشگوئیوں کی بھی اصل غرض اصلاح ہوتی ہے- اس لئے وہ اسی رنگ میں پوری ہوئی جس طرح اتمام حجت ہو سکتی تھی- کیونکہ اگر اس کے برخلاف ثناء اللہ حضرتؑ کی زندگی میں مرجاتا تو اس کے ساتھی کہتے کہ چونکہ یہ فوت ہو گیا اور حضرت اقدسؑ زندہ رہے اس لئے وہ ہمارے اور ہمارے استاد کے قول کے مطابق اور فیصلہ کی شرط کے مطابق نعوذ باللہ مسیلمہ کذّاب کی مانند ثابت ہوئے- پس خدا تعالیٰ نے جو کچھ وعدہ دیا تھا وہ یہی تھا کہ سچے اور جھوٹے میں فرق کر دکھلائے گا- اور یہی انذاری پیشگوئی کی غرض ہوتی ہے چنانچہ اس کے وعدہ کے مطابق اس کو ملزم کرنے کے لئے خداوند تعالیٰ نے اسی کے قول کے مطابق اس کو ڈھیل دے کر مسیلمہ کذّاب کا ہم رتبہ ثابت کیا- اور دوسرے یہ کہ کیا حضرت اقدسؑ کی وفات سے جو اس کی نسبت الہام تھے وہ بھی منسوخ ہو گئے؟ نہیں وہ تو جب تک یہ مرتا نہیں اس کے ساتھ ہیں اور ان کے عذاب سے یہ اسی وقت بچ سکتا ہے جب توبہ کرے اور رجوع لائے- ورنہ یاد رہے کہ خدا کا کلام کبھی نہیں ٹلتا اور بغیر پورا ہوئے نہیں رہتا- پس حضرت صاحب کی دعا پر بھی کوئی اعتراض نہیں آسکتا کیونکہ وہ ضرور قبول ہوئی اور دعا کی بجائے ایک انذاری پیشگوئی کی صورت میں بدل گئی- اور جب اس نے جھوٹے کے لئے ڈھیل ملنے کی شرط مقرر کی تو اس کو ڈھیل دی گئی اور اپنے وقت پر وہ پیشگوئی بھی اپنا رنگ دکھلائے گی-

اب آخر میں ایک اور بات لکھتا ہوں تاکہ شریر اور بدبخت لوگ سادہ لوح لوگوں کو دھوکے

میں نہ ڈالیں اور وہ یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ کے بعد ثناء اللہ کا زندہ رہنا بجائے اس کی سچائی کے اس کا کذّاب اور مفسد ہونا ثابت کرتا ہے میں کافی لکھ آیا ہوں۔اب یہ لکھتا ہوں کہ یہ شخص اپنی معمولی شوخی کے مطابق اس دعا کا نام مباہلہ رکھتا ہے جس کا انکار بھی کر چکا ہے چنانچہ ایک دفعہ حضرت اقدس کے برخلاف مضمون لکھتا ہؤا لکھتا ہے کہ "مباہلہ اس کو کہتے ہیں جو فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں"۔ پھر اسی مضمون میں آگے چل کر لکھتا ہے کہ "قسم اور ہے مباہلہ اور ہے۔ قسم کو مباہلہ کہنا آپ جیسے ہی راست گوؤں کا کام ہے۔ اور کسی کا نہیں۔" اب ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ مولوی ثناء اللہ نے جب خود ہی یہ فیصلہ کیا ہے کہ مقابلہ پر قسمیں کھانے کا نام مباہلہ ہے اور اس کے سوا کسی اور بات کو مباہلہ قرار دینا راست گوئی کے خلاف ہے۔ اور بالکل جھوٹ ہے تو اب اس کا اس دعا کو جو کہ حضرت صاحبؑ نے شائع کی تھی مباہلہ قرار دینا افتراء نہیں تو اور کیا ہے اور دعا میں نہ تو حضرت صاحب نے قسم کھائی ہے نہ ثناء اللہ نے پھر باوجود اس کے اس کو مباہلہ قرار دینا خود اسی کے فیصلہ کے مطابق اس کو جھوٹا ثابت کرتا ہے۔ پس ناظرین کو چاہیئے کہ وہ اس کے مکر اور فریب میں نہ آئیں اور اس بات کا خیال رکھیں کہ خود یہی ایک سال پہلے ۱۹/ اپریل ۱۹۰۷ء کے اہلحدیث صفحہ ۴ میں مباہلہ کی وہ تعریف جو اوپر لکھ آیا ہوں لکھ چکا ہے۔ اور اس کے برخلاف یکطرفہ قسم کو بھی مباہلہ کہنے والے کی نسبت جو فتویٰ دے آیا ہے اوپر درج ہے۔ پس جبکہ یک طرفہ قسم بھی مباہلہ نہیں ہو سکتی تو وہ دعا جو بغیر قسم کے کی گئی ہو اور فریق مخالف نے اس کو منظور بھی نہ کیا تو وہ کیونکر مباہلہ ہو سکتی ہے۔ اور اس کا مباہلہ کے رنگ میں پیش کرنا کہاں تک موجب راستی ہو سکتا ہے۔ اس شخص نے چاہا کہ عوام کو دھوکہ دے لیکن خدا جس کی پردہ دری کرنا چاہے پھر اس کی حماقت اور دروغ بیانی پر کون پردہ ڈالے۔ افسوس باوجود ان جھوٹوں اور فریبوں کے اور دغابازیوں کے پھر یہ لوگ خدا کے مأمور اور مرسل کے مقابلہ پر کھڑے ہو کر بڑے بڑے علم و فن کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اب میں چونکہ ثناء اللہ کی نسبت خدا کے فضل سے کافی لکھ آیا ہوں اس لئے مضمون کے اس حصہ کو ختم کر کے دوسرے کو شروع کرتا ہوں۔ مگر آخر میں خلاصۃً پھر لکھتا ہوں کہ ثناء اللہ کی نسبت حضرت صاحبؑ نے دعا کی تھی اور اوپر لکھ دیا تھا کہ میں یہ وحی یا الہام کے ذریعہ نہیں کہتا اور باوجود اس کے ثناء اللہ نے اس دعا کے فیصلہ سے انکار کیا اور لکھا کہ "یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کر سکتا ہے" پھر باوجود اس انکار کے اس کا یہ دعویٰ کہ مرزا صاحب میرے مباہلہ کی وجہ سے فوت ہوئے صریح شرارت ہے۔ جب یہ خود اس فیصلہ کو غلط قرار دے چکا ہے اور

لکھ چکا ہے کہ اس کا قبول کرنا بیوقوفوں کا کام ہے۔ تو اب اس کو مان کر بیوقوف کیوں بنتا ہے اور اپنے کہے کے برخلاف کیوں چلتا ہے؟ اور جب اس نے خود اس کو نامنظور کیا تو اب اس دعا کے مطابق فیصلہ کا کیوں منتظر ہے؟ اور دوسرے یہ کہ نہ صرف اس نے شروع میں ہی اس دعا کے فیصلہ سے انکار کیا بلکہ آخر سال میں بھی حضرت کی وفات سے چند دن پہلے اس بات کا انکار کیا اور لکھا کہ اب چونکہ سال گذر گیا ہے اس لئے مباہلہ کی میعاد ختم ہوگئی اور اب کوئی اثر مباہلہ کا نہیں ہو سکتا۔ پس جب یہ خود ہی حضرت کی وفات سے پہلے اس میعاد کو ختم کر چکا ہے تو اب اگر اس دعا کو اس کے کہنے کے مطابق مباہلہ بھی مان لیا جائے تو بھی اس مباہلہ کے مطابق حضرت اقدسؑ کی وفات نہیں ہو سکتی کیونکہ خود ثناء اللہ اس میعاد کو ختم کر چکا ہے۔ اور تیسری بات جو میں نے لکھی ہے یہ ہے کہ نبی کے آنے کی اصل غرض اصلاح ہوتی ہے نہ کہ انذاری پیشگوئیاں۔ پس اس وجہ سے انذاری پیشگوئیوں میں التواء بھی ہو جاتا ہے اور بعض دفعہ وہ منسوخ بھی ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ محض اصلاح کے لئے ہوتی ہیں۔ جب اصلاح کا اور طریقہ نکل آئے یا مخالف پر اتمام حجت کرنے کی کوئی اور صورت پیدا ہو جائے تو وہ بدل جاتی ہیں۔ چنانچہ اس طرح حضرت اقدسؑ کی ثناء اللہ کی نسبت دعا یا پیشگوئی انذاری رنگ میں تھی اور اصلاح کے لئے تھی جب اس نے اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہمارے لئے جھوٹے کا سچے کی زندگی میں مرجانا کوئی اتمام حجت نہیں بلکہ قرآن شریف سے اس کے برخلاف جھوٹے کا ڈھیل دیا جانا ثابت ہوتا ہے اور اسی کے مطابق مسیلمہ کذّاب آنحضرت ﷺ کے فوت ہونے کے بعد ہلاک ہؤا تو اب اصلاح کی یہ صورت تھی کہ ثناء اللہ کو ڈھیل دی جائے تاکہ اس کے ساتھیوں پر اور اس پر اتمام حجت ہو اور انہیں کے فیصلہ کے مطابق ان کو ملزم کیا جائے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی کیا اور ثناء اللہ اپنے ہی قول کے مطابق مفسد دغا باز اور جھوٹا ثابت ہؤا اور اخیر میں میں نے لکھا ہے کہ یہ شخص لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے اس دعا کو مباہلہ قرار دیتا ہے جو حضرت اقدس نے اس کے لئے کی۔ مگر اس سے پہلے خود لکھ چکا ہے کہ مباہلہ طرفین کے مقابلہ پر قسمیں کھانے کو کہتے ہیں اور اس کے برخلاف کہنے والا جھوٹا ہے۔ پس یہ خود ہی جھوٹا ثابت ہؤا اور عوام کو چاہئے کہ اس کے مکر اور فریب سے بچیں۔

تیسرا باب

مختلف پیشگوئیوں کے بارہ میں

اب جبکہ میں عبدالحکیم اور ثناء اللہ کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے واقعات لکھ آیا ہوں۔ اور ان کی طرف سے جو اعتراض ہوتے ہیں خدا کے فضل سے ان کا جواب دے چکا ہوں۔ مناسب سمجھتا ہوں کہ حضرت اقدسؑ کی بعض ایسی پیشگوئیوں پر بھی کچھ لکھوں جو کہ مخالفین سلسلہ کے خیال میں اب تک پوری نہیں ہوئیں یا ان کے پورے ہونے میں کچھ کسر رہ گئی ہے مگر ان کے شروع کرنے سے پہلے پھر میں اس اصول کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کراتا ہوں کہ ہر ایک نبی کی بعثت کی غرض دنیا میں اصلاح ہوتی ہے۔ اور اس کی تعلیم کو نظرانداز کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ بلکہ ہر حال میں پہلے اس کی تعلیم پر غور کرنا شرط ہے اور پھر بعد اس کے اس کی پیشگوئیوں پر نظر ڈالنی چاہئے۔ پس اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ان تمام اعتراضوں کا جواب دوں گا جو کہ مخالفین سلسلہ کی طرف سے حضرت اقدسؑ پر کئے جاتے ہیں چنانچہ سب سے اول میں حضرت اقدسؑ کی عمر کے بارہ میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔

اول - عام طور سے اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت اقدسؑ کا ایک الہام تھا جو کہ انہوں نے بارہا شائع کیا تھا کہ میری عمر اسّی سال کے قریب قریب ہوگی حالانکہ وہ میعاد مقررہ سے پہلے فوت ہو گئے۔ اور یہ بات ان کی سچائی میں شکوک کی گنجائش پیدا کرتی ہے کیونکہ جب انہوں نے بڑے زور سے اس بات کا اعلان کیا تھا کہ میری عمر اسّی سال کے قریب ہوگی تو کیا وجہ کہ وہ پہلے فوت ہوئے۔ اگر یہ خبر ان کو خدا کی طرف سے ملی تھی اور وہ سچے نبی تھے تو چاہئے تھا کہ اس الہام کے مطابق فوت ہوتے ورنہ جب وہ اپنے الہام کے مطابق فوت نہ ہوئے اور اپنی بتائی ہوئی میعاد سے پہلے انتقال کر گئے تو مخالفوں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ان کی تکذیب کریں اور

ان کے دعویٰ میں شک لاویں۔

اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت اقدسؑ نے کہیں نہیں لکھا کہ میری عمر ضرور ہی اسّی برس ہوگی۔ بلکہ اس بات کو مخالفین بھی مانتے ہیں کہ آپ کا الہام تھا کہ آپ کی عمر اسّی کے قریب ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ اور آپ اسّی برس کے قریب عمر پا کر فوت ہوئے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں میں خود حضرت اقدسؑ کی کتابوں میں سے اور مخالفین سلسلہ کے مضامین میں سے حوالہ دوں گا اور انشاء اللہ ثابت کروں گا کہ حضرت اقدسؑ کی عمر اسّی کے قریب تھی۔ یعنی جب حضرت اقدسؑ نے وفات پائی تو آپ اس وقت ۷۴ سال کے تھے۔ چنانچہ اول حوالہ جو میں خود آپ کے مضمون میں سے پیش کرتا ہوں یہ ہے کہ ڈوئی کے مقابلہ میں جب آپؑ نے اشتہار دیا ہے اور اس کو مقابلہ کے لئے بلایا ہے تو اس وقت آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "میں ایک آدمی ہوں جو پیرانہ سالی تک پہنچ چکا ہوں۔ میری عمر غالباً چھیاسٹھ سال سے بھی کچھ زیادہ ہے" (دیکھو ریویو آف ریلیجنز ستمبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۳۴۶) پس اب ہر ایک شخص غور کر سکتا ہے کہ جب ستمبر ۱۹۰۲ء کو آپ کی عمر ۶۶ سال سے بھی کچھ زیادہ ہے تو ۱۹۰۸ء میں مئی کے مہینہ میں جب آپ نے وفات پائی تو آپ کی عمر شمسی حساب کے لحاظ سے کم سے کم ۷۲ سال کی ہوتی ہے کیونکہ اگر پورے ۶۶ سال کی عمر اس وقت شمار کریں تو مئی تک آپ کی عمر کے ۷۱ سال اور نو ماہ بنتے ہیں لیکن چونکہ آپ نے لکھا ہے کہ اس وقت ۶۶ سال سے بھی زیادہ ہے اس لئے تین ماہ اس میں اور شامل کر کے پورے ۷۲ سال ہوئے۔ اور قمری حساب کی رو سے یہی ۷۲ سال ۷۴ سال اور تین ماہ بنتے ہیں پس جو عمر آپ نے ڈوئی کے اشتہار میں لکھی ہے اگر غور سے کوئی دشمن اس پر نظر ڈالے تو صاف سمجھ سکتا ہے کہ آپ کی پیشگوئی کس زور و شور سے پوری ہوئی۔ اور اس کا ایک ایک لفظ صادق ثابت ہؤا۔ آپ نے اس پیشگوئی کو شائع کیا ہے اور اس وقت گویا کہ قریباً تیس سال عمر کے باقی تھے۔ جب یہ الہام ہؤا۔ پس کیا کوئی کاذب انسان جو خدا سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو تیس سال پہلے اپنی نسبت کہہ سکتا ہے کہ میں اس قدر سال اور زندہ رہوں گا۔ انسان کو اپنی زندگی کا ایک دم کے لئے بھی اعتبار نہیں۔ پھر ایک شخص کا یہ کہنا کہ میں تیس سال اور زندہ رہوں گا اور میری عمر قریباً اسّی سال کی ہوگی کوئی چھوٹی بات نہیں بلکہ ایک نشان ہے جو پورے زور سے پورا ہؤا۔ مگر مبارک وہ جو آنکھیں رکھتا ہے اور خوش قسمت ہے وہ جو نیکی کی راہ کو دیکھے اور قبول کرے۔

پھر دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت صاحب کی کتاب نصرۃ الحق یا حصہ پنجم براہین میں درج ہے

کہ اب میری عمر ستر برس کے قریب ہے اور تین برس کی مدت گذر گئی کہ خدا تعالیٰ نے مجھے صریح لفظوں میں اطلاع دی کہ "تیری عمر اسّی برس کی ہوگی اور یا یہ کہ پانچ چھ سال زیادہ یا پانچ چھ سال کم"۔ پس اس جگہ سے بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کی عمر ۱۳۲۳ھ میں ستر سال سے کچھ اوپر تھی۔ اور اب ۱۳۲۶ھ میں ۷۴ سال کی ہوئی (کیونکہ نصرۃ الحق میں یہ بات ۱۳۲۳ھ میں لکھی گئی تھی) اور اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسّی سال کی عمر سے الہام میں کیا مراد تھی اور اس کے معنی خدا تعالیٰ کے علم میں کیا تھے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ ۷۴ سے لے کر ۸۶ سال کی عمر تک بھی جب حضرت اقدسؑ فوت ہوتے وہ پیشگوئی کی میعاد کے اندر ہی ہوتا۔ اس بات کو خود آپ نے بھی اس کتاب میں آگے چل کر تشریح سے لکھا ہے کہ نہ خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ میری عمر اسّی سال سے ضرور زیادہ ہو جائے گی۔ بلکہ اس بارے میں جو فقرہ وحی الٰہی میں درج ہے اس میں مخفی طور سے یہ امید دلائی گئی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو اسّی برس سے بھی عمر کچھ زیادہ ہو سکتی ہے اور جو الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو ۷۴ سال اور ۸۶ سال کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں"۔ (یہ دونوں عبارتیں ضمیمہ براہین حصہ پنجم کے صفحہ ۹۷ پر ہیں) اب اس عبارت کو پڑھ کر ہر ایک شخص غور کر سکتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے صاف طور سے لکھ دیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو خبر دی ہے کہ تیری عمر ۷۴ اور ۸۶ سال کے درمیان ہوگی۔ اور میں خود آپؑ کی ہی عبارتوں سے ثابت کر آیا ہوں کہ آپؑ کی عمر وفات کے وقت ۷۴ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ تھی۔ پس اب کسی معترض کا کیا حق ہو سکتا ہے کہ اس قسم کا اعتراض کرے۔ اور باوجود اس کے کہ پیشگوئی بڑے زور و شور سے پوری ہوئی اس پر نکتہ چینی کرے۔ ہاں وہ جو خدا سے نہیں ڈرتے اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے باز رکھنے کے لئے تو ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں اور نہ کسی بے شرم کا منہ بند کرنا ہمارا کام ہے۔ مگر وہ جو خدا کی ہستی پر ایمان لاتے ہیں اور جزاء و سزا کے دن کا یقین رکھتے ہیں خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتائیں کہ کیا حضرت اقدسؑ کی پیشگوئی لفظ لفظ پوری نہیں ہوئی اور کیا حضرت اقدسؑ خدا کے الہام کے مطابق ۷۴ سال کی عمر پا کر فوت نہیں ہوئے۔ خدا نے جو وعدہ اپنے مأمور سے کیا تھا پورا کیا اور اس کو اپنے قول کے مطابق عمر دی۔ اب اگر کسی کور چشم اور بد باطن انسان کو کلام ہے تو وہ ڈوئی کے اشتہار کو پڑھے اور نصرت الحق کو جو عنقریب شائع ہونے والی ہے دیکھے تو اس کو معلوم ہو جائے گا اور اس کا دل گواہی دے اٹھے گا کہ حضرت مسیح موعود سے جو کچھ وعدہ کیا گیا تھا وہ کیسی صفائی سے پورا ہوا اور میں علاوہ حضرت اقدس کی کتابوں کے اور جگہوں سے

بھی اس کا ثبوت دے سکتا ہوں اور خود مخالفین کے کلام سے ثابت کر سکتا ہوں کہ حضرت کی عمر ۷۴ سال کی تھی چنانچہ حضرت اقدسؑ کی وفات پر جو مضمون زمیندار کے لائق ایڈیٹر نے لکھا ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ "مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۲ تا ۲۴ سال کی ہو گی اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کاروبار ملازمت کے بعد ان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا" (زمیندار اخبار پرچہ ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء صفحہ ۵)۔ اب دیکھنا چاہئے کہ جب ساٹھ یا اکاسٹھ میں آپ کی عمر ۲۴ کے قریب تھی تو ۱۹۰۸ء میں آپ کی عمر شمسی حساب سے ۷۲ یا اس سے کچھ کم ہوئی اور قمری حساب سے ۷۴ سال یا کچھ زیادہ۔ اور یہ ایک ایسی گواہی ہے جو خدا تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کے منہ سے دلوائی جو اس سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ پس کیا اس پر بھی کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد ہم ایک اور گواہی ایک ایسے مخالف کی پیش کرتے ہیں جس کا کام سوائے اس سلسلہ کی مخالفت کے اور کچھ بھی نہیں اور جو اس سلسلہ کی مخالفت میں جھوٹ بولنا بھی جائز سمجھتا ہے یعنی اب ہم مولوی ثناء اللہ امرتسری کی تحریر سے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ اپنے الہام کے مطابق عمر پا کر فوت ہوئے اور وہ یہ ہے کہ "باقی رہا یہ کہ سب مخالفین کو مار کر مریں گے (یعنی حضرت اقدس) سو اس سوال کا جواب بھی مرزا جی اپنے رسالہ الوصیّت میں لکھ کر نفی میں دے چکے ہیں۔ یعنی کہہ چکے ہیں کہ میری موت عنقریب اسّی سال کی عمر کے کچھ نیچے اوپر ہے۔ جس کے سب زینے آپ غالبًا طے کر چکے ہیں" (اہلحدیث ۳ / مئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۶) اس عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف حضرت مسیح موعودؑ ہی لکھ چکے ہیں کہ اسّی سال والے الہام کے مطابق میری عمر ختم ہو چکی ہے بلکہ مولوی ثناء اللہ بھی اس بات کو مانتا ہے اور لکھتا ہے کہ آپ غالبًا سب زینے اس پیشگوئی کے طے کر چکے ہیں۔ پس جبکہ دوست اور دشمن سب اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت کی وفات عین پیشگوئی کے مطابق ہوئی تو اب اس پر اعتراض کرنا سراسر بیجا اور حق طلبی کے برخلاف ہے مگر اسکے ساتھ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عمر کا حساب کچھ ایسا پختہ نہیں ہوتا۔ اور نہ عام طور سے تاریخ پیدائش محفوظ رکھی جاتی ہے۔ اور خود حضرت مسیح موعودؑ کی تاریخ پیدائش اور مہینہ محفوظ نہیں۔ اگر کسی وقت آپ نے اندازاً کچھ اور عمر بتا دی ہو تو اس سے اس بات میں کوئی ہرج نہیں آتا۔ کیونکہ عام طور سے عمر کے معاملہ میں زیادہ احتیاط نہیں ہوتی۔ اور بہت جگہ اندازہ سے کام لیا جاتا ہے۔ مگر اس جگہ جو عمر ہم نے لکھی ہے وہ خوب تحقیق سے لکھی گئی ہے۔ اور نہ صرف حضرت

اقدسؑ کی مختلف تحریروں سے لی گئی ہے بلکہ خود مخالفین سلسلہ کے بیانوں سے ثابت ہوتی ہے اور خاص کر جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب ایڈیٹر زمیندار کی رائے بہت معتبر ہے۔ جو اپنا چشم دید حال سناتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو ۶۰ یا ۶۱ء میں دیکھا اور اس وقت آپ کی عمر قریباً ۲۴ برس کی تھی۔ پس اب بھی اگر کسی کو اعتراض ہو تو یہ اس کی سیاہ باطنی پر دلالت کرتا ہے۔ چاہیئے کہ توبہ اور استغفار کرے تاکہ خدا کا رحم اس کے شامل حال ہو۔

اب ہم ناظرین کی آسانی کے لئے ایک اور طرح سے عمر کے سوال کو حل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات سے چوبیس برس پہلے اطلاع دی گئی تھی کہ تمہاری عمر اسّی کے قریب ہوگی اور اس الہام کے مطابق آپ قریباً بتیس سال تک زندہ رہے پھر رسالہ الوصیت میں آپ نے شائع کیا کہ اب میری عمر بہت ہی تھوڑی رہ گئی ہے اور میری موت کے دن قریب آگئے ہیں اور اس پیشگوئی کے مطابق اڑھائی سال کے اندر فوت ہو گئے۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ حضرت صاحب نے اپنی وفات سے چونتیس برس پہلے چالیس کی عمر میں یہ پیشگوئی کی تھی کہ میری عمر اسّی سال کی ہوگی اور یہ پیشگوئی ایک فوق العادت طور سے پوری ہوئی کیونکہ کون کہہ سکتا ہے کہ میں کل تک زندہ رہوں گا یا یہ سال مجھ پر سلامت گذرے گا مگر وہ جس پر خدا رحم کرے اور اپنی کلام سے مشرف کرے۔ چونتیس برس کی عمر ایک اتنی لمبی عمر ہے کہ اس میں ایک بچہ جوان ہو کر اپنے ہاں پوتے پیدا ہوتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔ پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مفتری کہہ سکے کہ میں چونتیس پینتیس برس اور زندہ رہوں گا۔ اگر کوئی ایسا دعویٰ کر سکتا ہے تو اس کو ہمارے سامنے پیش کرو مگر شرط یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں خدا سے خبر پا کر ایسا کہتا ہوں۔ پس جبکہ ایک جھوٹے سے ایسا دعویٰ ہونا ناممکن ہے تو سوچو کہ حضرت اقدسؑ نے خدا سے خبر پا کر ایسی خبر دی اور وہ اس کے مطابق چونتیس سال تک زندہ بھی رہے۔ اور جب خدا نے خبر دی کہ اب تمہاری وفات قریب ہے تو انہیں دنوں میں فوت ہو گئے۔ اور اس طرح دو پیشگوئیاں پوری ہوئیں۔ ایک تو عمر کی زیادتی کی کہ تم اس قدر عرصہ تک زندہ رہو گے اور ایک وفات کی کہ اب تمہاری وفات قریب ہے۔

پس حضرت صاحب کی وفات سے تو ان کی سچائی ثابت ہوتی ہے نہ کہ تکذیب۔ ہم بفرض محال مان لیتے ہیں کہ حضرت صاحب اپنی بتائی ہوئی عمر سے پہلے فوت ہو گئے مگر اس سے بھی تو کوئی شبہ آپؑ کی سچائی میں نہیں آتا بلکہ اور سچائی ثابت ہوتی ہے کیونکہ جب حضرت مسیح موعودؑ نے الوصیت شائع کر دی اور لکھ دیا کہ اب میری عمر ختم ہو گئی ہے اور میری وفات قریب ہے تو پہلا

الہام منسوخ ہو گیا۔ اور اب دوسرے الہام کے مطابق ہم کو نتیجہ کا انتظار کرنا چاہئے تھا سو ایسا ہی ہؤا اور آپ عین اسی وقت پر جو کہ بتایا گیا تھا فوت ہوئے۔ پس یہ کیسی صاف بات ہے کہ جب تک کہ حضرت اقدسؑ کہتے رہے کہ میری عمر اسّی سال کے قریب ہے اس وقت تک تو آپ زندہ رہے اور آپ نے اس الہام کے مطابق چونتیس سال عمر پائی۔ مگر جب آپ نے الہام شائع کیا کہ اب میری وفات قریب ہے۔ تو آپ میعاد مقررہ کے اندر فوت ہو گئے۔ اور اس طرح دو نشان پورے ہوئے اور حضرت اقدسؑ کی سچائی کا ثبوت بنے۔ پس بفرض محال اگر مان بھی لیا جائے کہ آپ اسّی برس والے الہام کے مطابق فوت نہیں ہوئے تب بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ الوصیت نے تو اس الہام کو منسوخ کر کے ثابت کر دیا کہ وہ تک بندی نہیں تھی بلکہ خدا کا کلام تھا۔ ممکن تھا کہ اگر الوصیت والا الہام پورا نہ ہوتا تو لوگ کہتے کہ آپ نے ایک بڑ مار دی تھی کہ میری عمر اس قدر ہو گی سو پوری ہو گئی مگر خدا تعالیٰ نے موت کے الہامات سے ثابت کر دیا کہ سب کام خدا کے اختیار میں ہیں وہ جب چاہتا ہے کسی کو لمبی عمر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کو وفات دیتا ہے۔ اور اس طرح اس نے حضرت اقدسؑ کے الہامات کی سچائی کو بھی ثابت کر دیا۔ ہاں اگر الوصیت میں موت کی پیشگوئی نہ ہوتی تو لوگ کہتے کہ وہ وقت مقررہ سے پہلے فوت ہوئے لیکن جب الوصیت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اب وفات قریب ہے۔ تو خود بخود پہلی پیشگوئی چونتیس برس تک اپنا جلال دکھا کر منسوخ ہو گئی اور موت کی پیشگوئی کا انتظار شروع ہؤا۔ پس اگر یہ نہ بھی مانا جائے کہ حضرت کی عمر ۷۴ سال کی ہوئی اور اسّی سال کے قریب ہوئی جیسا کہ میں پہلے ثابت کر آیا ہوں۔ تو پھر بھی آپ پر کوئی الزام نہیں آتا کیونکہ جب موت کے الہام ہو گئے تو معلوم ہؤا کہ اب کچھ سال عمر باقی بھی ہے تو وہ بھی منسوخ ہو گئی۔ غرضیکہ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے کسی میں بھی مخالف یا معترض کا ہاتھ نہیں پڑ سکتا کیونکہ اول تو میں نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ پیشگوئی کے مطابق عمر پا کر فوت ہوئے اور اگر بفرض محال نہ بھی ہوئے تو الوصیت کے بعد وہ پہلی پیشگوئی منسوخ سمجھی جائے گی کیونکہ وہ اگر عمر کی زیادتی ظاہر کرتی تھی تو یہ عمر کا انقطاع ظاہر کرتی تھی پس ہر طرح سے خدا کا کلام سچا ثابت ہوتا ہے۔ اور مخالف معترض کا کوئی حق نہیں کہ وہ بغیر علم کے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ [۲] کے حکم کے بر خلاف خواہ مخواہ اعتراض کرے ورنہ یاد رہے کہ اس قسم کے اعتراضوں سے کوئی نبی نہ بچے گا۔

۲۔ دوسری بات جس کا میں جواب دینا چاہتا ہوں۔ وہ نکاح والی پیشگوئی ہے۔ جس کی نسبت مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت صاحب فوت ہو گئے ہیں اور وہ پوری نہیں ہوئی۔ سو یاد رہے۔

کہ یہ پیشگوئی اولاً ایک اشتہار میں جو ۱۸۸۸ء میں شائع ہؤا درج ہوئی تھی۔ اور اس میں لکھا گیا تھا کہ بوجہ اس کے کہ آپ کے بعض قریبی رشتہ دار حق کی مخالفت کرتے ہیں ان پر عذاب آئے گا۔ اور اطلاع دی گئی تھی کہ اگر احمد بیگ اپنی لڑکی کا نکاح آپ سے نہ کرے گا تو نکاح کے بعد تین سال بلکہ اس سے بھی قریب زمانہ میں مرجائے گا۔ اور وہ جو اس لڑکی سے نکاح کرے گا اڑھائی سال کے اندر فوت ہو جائے گا۔ اور لڑکی کے والد کے ہاں اور بھی فوتیاں ہوں گی مگر اس کے ساتھ رجوع کی شرط تھی۔ کیونکہ یہ تمام سزا ان لوگوں کے لئے اس لئے تجویز ہوئی تھی کہ وہ خدا کی باتوں سے ٹھٹھا کرتے اور اس کے کلام پر ہنستے تھے۔ اور جب وہ رجوع کرلیں تو لازم تھا کہ وہ عذاب سے بچائے جائیں جو کہ ان کے لئے مقرر ہو چکا تھا۔ پس دیکھنا چاہئے کہ اس پیشگوئی کی ایک شاخ جو احمد بیگ اور اس کے رشتہ داروں کے لئے تھی کیسے زور سے پوری ہوئی اول تو اس پیشگوئی کے مطابق احمد بیگ جس نے بدزبانی کو نہ چھوڑا اور اپنی ضد سے باز نہ آیا اس لڑکی کے نکاح تک زندہ رہا اور جب اس نے ۷ / اپریل ۱۸۹۲ء میں اس لڑکی کا ایک اور جگہ نکاح کر دیا تو وہ پیشگوئی کی مقرر کردہ میعاد کے اندر یعنی ۳۱ / دسمبر ۱۸۹۲ء کو فوت ہو گیا۔ اور بجائے تین سال کے چوتھے مہینہ تک ہی اس کو عذاب الٰہی نے گرفتار کرلیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے گھر میں اور کئی موتیں ہوئیں۔ پس ہر ایک طالب حق جان سکتا ہے کہ اس پیشگوئی کی ایک شاخ کس زور سے پوری ہوئی۔ اول تو احمد بیگ لڑکی کے نکاح تک زندہ رہا پھر وہ نکاح کے بعد چار مہینہ کے اندر ہی فوت ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس کے گھر میں اور بھی کئی فوتیاں ہوئیں۔ پس اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ وہ شخص جو اس لڑکی کا خاوند تھا رجوع کرتا اور شرارت سے توبہ کرتا۔ اور اس لڑکی کی والدہ بھی اپنے گناہوں سے باز آتی چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ اور ان لوگوں نے بہت کچھ فروتنی دکھلائی اور اس لڑکی کا ایک چچا اس سلسلہ میں داخل ہؤا اور اپنے کل گذشتہ گناہوں سے تائب ہؤا۔ پس ضروری تھا کہ خدا کا عذاب ان پر سے ٹل جاتا۔ اور وہ اس آنے والی آفت سے مامون رہتے کیونکہ جب شرط نہ رہی تو مشروط بھی نہ رہا اور باقی رہا دوبارہ حضرت مسیح موعودؑ سے نکاح کا معاملہ اس کا جواب دینے کی ہم کو کچھ ضرورت نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں خود دے گئے ہیں اور اس کی نسبت خدا کا صاف فیصلہ تحریر فرما گئے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ "اس نکاح کے ظہور کے لئے جو آسمان پر پڑھا گیا خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اسی وقت شائع کی گئی تھی اور وہ یہ کہ اَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِكِ پس جب ان لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔

کیا آپ کو خبر نہیں کہ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ نکاح آسمان پر پڑھا گیا یا عرش پر مگر آخر وہ سب کاروائی شرطی تھی۔ شیطانی وساوس سے الگ ہو کر اس کو سوچنا چاہئے۔ کیا یونسؑ کی پیشگوئی نکاح پڑھنے سے کچھ کم تھی۔ جس میں بتلایا گیا تھا کہ آسمان پر یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ چالیس دن تک اس قوم پر عذاب نازل ہو گا۔ مگر عذاب نازل نہ ہؤا حالانکہ اس میں کسی شرط کی تصریح نہ تھی۔ پس وہ خدا جس نے اپنا ایسا ناطق فیصلہ منسوخ کر دیا کیا اس پر مشکل تھا کہ اس نکاح کو بھی منسوخ یا کسی اور وقت پر ٹال دے" (حقیقۃ الوحی تتمہ صفحہ ۱۳۲' روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۵۷۰-۵۷۱) اب غور کرنا چاہئے کہ حضرت مسیح موعودؑ اس پیشگوئی کی نسبت اپنی زندگی میں ہی لکھ گئے ہیں اور فیصلہ کر گئے ہیں کہ یا تو وہ کسی اور وقت پر ٹل گیا ہے یا بالکل فسخ ہو گیا ہے۔ پس اب اس پیشگوئی پر اعتراض کرنا نہایت جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ کاش کہ لوگ پہلے بات کی تہ کو پہنچیں اور پھر اعتراض کیا کریں۔ یاد رہے کہ آج سے ایک سال پہلے حضرت اقدسؑ یہ فیصلہ کر چکے ہیں۔ کہ وہ نکاح بوجہ عورت اور مرد دونوں کے رشتہ داروں کے رجوع کے منسوخ ہو چکا ہے۔ اور اگر آپؑ ایسا نہ بھی لکھتے تو بھی چونکہ وہ پیشگوئی شرطی تھی۔ ہر ایک عقلمند انسان سمجھ سکتا تھا کہ چونکہ ان لوگوں نے جن کی نسبت یہ پیشگوئی تھی رجوع کیا اور توبہ کی اور اس شوخی سے باز آئے جو وہ پہلے دکھلاتے تھے تو وہ فیصلہ بھی ان پر سے ٹل گیا۔ پس باوجود اس کے پھر اعتراض کرنا اچھا نہیں۔ اور ہر ایک معترض کو خدا سے ڈرنا چاہئے کہ وہ بڑی غیرت والا ہے اور اپنی آیات پر ہنسنے والوں کو بغیر سزا کے نہیں چھوڑتا۔

۳۔ تیسری بات جس پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ وہ پانچویں بیٹے کی پیشگوئی ہے جس کی نسبت مخالفین سلسلہ کا خیال ہے کہ وہ اب تک پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ نے مواہب الرحمٰن کے صفحہ ۱۳۹ پر صاف طور سے لکھا تھا۔ کہ بَشَّرَنِیْ بِخَامِسٍ فِیْ حِیْنٍ مِّنَ الْاَحْیَانِ یعنی مجھے ایک پانچویں بیٹے کی بشارت دی گئی ہے اور اسی طرح اور بہت سے الہامات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپؑ کے ہاں ایک اور لڑکا پیدا ہونے والا ہے مثلاً یہ کہ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ حَلِیْمٍ۔ یَنْزِلُ مَنْزِلَ الْمُبَارَکِ۔ سَاَھَبُ لَکَ غُلَامًا زَکِیًّا۔ رَبِّ ھَبْ لِیْ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ اِسْمُہٗ یَحْیٰی۔ مَظْھَرُ الْحَقِّ وَالْعُلَا کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مگر ان پیشگوئیوں کے ساتھ ہی مخالفین کو یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت اقدسؑ کا ایک الہام جو کہ اخبار الحکم ۳۰ جون ۱۸۹۹ء کو شائع ہو چکا ہے۔ یعنی اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَاُصِیْبُہٗ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہوں اور اسی کی طرف جاتا ہوں۔ پھر اس کے بعد الہام ہؤا "کَفٰی ھٰذَا"۔ اور ساتھ ہی لکھا ہے کہ یہ مبارک احمد کی

ولادت کے وقت کے الہام ہیں اب ہر ایک غور کرنے والا انسان سمجھ سکتا ہے کہ پہلے الہام سے تو ثابت ہوتا تھا کہ ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو بچپن میں ہی فوت ہو جائے گا۔ اور دوسرے الہام کے یہ معنی ہیں کہ یہ نسل یا یہ اولاد کافی ہے اور اب اس کے بعد کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوگی چنانچہ پہلے الہام کے مطابق مبارک احمد آٹھ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اور دوسرے الہام کے مطابق آپ کے ہاں اور کوئی نرینہ اولاد نہیں ہوئی اور تین چار برس کا عرصہ دراز گذرا کہ آپ کو الہام ہوا کہ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اور اس الہام کو آپ نے اپنے پوتے پر لگایا کیونکہ جب دونوں کلام خدا کی طرف سے تھے۔ تو ان میں تناقض نہیں ہونا چاہئے تھا اور دونوں ایک دوسرے کے مطابق ہونے چاہئیں تھے۔ چنانچہ ملہم نے بھی اسی بات کے خیال سے آئندہ بیٹے کے الہام کو اپنے پوتے پر چسپاں کیا۔ کیونکہ پوتا بھی بیٹے کے قائمقام ہوتا ہے۔ پس اس کے بعد لازم ہے کہ ہر ایک الہام جو آئندہ بیٹے کی نسبت ہو وہ آئندہ نسل کے لئے ہو۔ اور پھر یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ زبان کے لحاظ سے بھی بیٹا آئندہ نسل کے کسی فرد پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ عربی میں اس طرح کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر قبیلوں کے نام ان کے کسی بزرگ کے نام پر ہوتے ہیں۔ اور وہ اس کی اولاد کہلاتے ہیں۔ چنانچہ بنو ہاشم اور بنو قریظہ کے دو قبیلے جو مکہ اور مدینہ کے ہیں۔ مسلمانوں کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک تو وہ قبیلہ ہے جس سے نور اسلام کا درخت پھوٹا اور ایک وہ ہے جس نے اس کے تباہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اور پھر بنی امیہ کی خلافت اور بنی عباس کی سلطنت بھی فراموش نہیں کی جا سکتیں۔ اے دلوں کے اندھو! غور کرو!! کیا ہارون الرشید اور مامون الرشید عباس کے بیٹے تھے یا خلیفہ مروان اور عمر بن عبد العزیز امیہ کے لڑکے تھے؟ ہاں ذرا تدبر سے کام لو اور دیکھو! کہ حضرت اقدسؑ کا ایک الہام ہے جو آج سے تیس برس پہلے شائع ہو چکا ہے کہ يَنْقَطِعُ مِنْ اٰبَآءِكَ وَ يُبْدَءُ مِنْكَ یعنی آئندہ تیرے بڑوں کا نام اڑایا جائے گا اور تیری نسل کا نام تجھ سے مشہور ہوگا۔ اور دوسرے یہ کہ اوروں کی نسل ہلاک کی جائے گی اور آپ کی رکھی جائے گی۔ مگر وہ جو تقویٰ اختیار کریں اس سے مستثنیٰ ہوں گے مگر بہرحال آئندہ نسل آپ کے نام پر شروع ہوگی اور آپ کی اولاد کہلائے گی۔ سو اگر اس الہام کی بناء پر ایک آئندہ ہونے والے لڑکے کی بشارت اس رنگ میں دے دی گئی کہ وہ تیری ہی اولاد سے ہوگا تو کیا حرج ہوا۔ جب دنیا اپنے طور پر ایک شخص کو صدیوں گذرنے کے بعد بھی ایک دوسرے شخص کا بیٹا قرار دیتی ہے اور عمر بن عبد العزیز اور ہارون الرشید امیہ اور عباس کے لڑکے کہلاتے ہیں تو کیا وجہ کہ خدا تعالیٰ حضرت مسیح موعودؑ کی نسل میں سے کسی

آئندہ ہونے والے لڑکے کو ان کے لڑکے کے نام سے پکار نہ سکے۔ کیا وہ کام جس کا انسان کو اختیار ہے خدا اسکے کرنے سے معذور ہے؟ یا جب دنیا کے طالب ایک شخص کو کسی پہلے گذرے ہوئے شخص سے نسبت دیتے ہیں حالانکہ وہ اس کا مستحق نہیں ہوتا۔ تو کیا خدا جو خوب جانتا ہے کہ کون کس سے نسبت دیئے جانے کے لائق ہے ایسا نہیں کر سکتا؟ آج وہ سید جو ہزاروں قسم کی بدیوں میں مبتلا ہیں اور لاکھوں گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور سینکڑوں قسم کی بدکاریاں صبح اور شام ان سے سرزد ہوتی ہیں۔ اور وہ جن کے اقوال ایک شریف آدمی کی زبان پر نہیں لائے جاسکتے اور جن کے افعال ایسے نہیں ہیں کہ نیکوں کی مجلس میں ان کا ذکر بھی کیا جائے تو آل محمد ﷺ کہلانے کے مستحق ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ کی نسل میں سے کسی لڑکے کو اگر خدا تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے ان کا لڑکا قرار دیا اور اس کے وجود کی ان کو بشارت دی تو وہ ناجائز ٹھہرا؟ کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ خدا ان سے بھی زیادہ محدود طاقتوں والا ہے؟ یا اس کو نسبت دینے کا علم نہیں اور وہ اس بارے میں غلطی کر بیٹھتا ہے؟ (نعوذ باللہ) آج سینکڑوں نہیں ہزاروں لیکچرار اپنی تقریروں میں زور زور سے چلاّ چلاّ کر کہتے ہیں کہ اے بنی آدم ایسا مت کرو۔ ایسا کرو۔ مگر ان سے کوئی نہیں پوچھتا کہ ہمارے باپ کا نام تو آدمؑ نہ تھا۔ پھر تم کیوں ہم کو اس نام سے پکارتے ہو۔ مگر حضرت صاحبؑ کی نسل میں سے ایک بچہ کو اگر ان کا لڑکا قرار دیا گیا تو کون سا اندھیر آگیا۔ **کفی ھذا** کا الہام صاف ثابت کرتا ہے کہ بیٹے کے الہام آئندہ نسل کے کسی لڑکے کی نسبت ہیں۔ اور پھر وہ الہام جس میں ہے کہ تیری اولاد تیرے نام سے مشہور ہوگی۔ اس کی اور بھی تائید کرتا ہے کہ آئندہ نسل کو بھی حضرت مسیح موعودؑ کا بیٹا کہا جاسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ تو خوب جانتا ہے کہ کون ان کا بیٹا بننے کے لائق ہے اس لئے اگر کسی عظیم الشان لڑکے کی نسبت جو دنیا میں ایک تبدیلی پیدا کر دے خبر دی جائے اور اس کو حضرت صاحب کا بیٹا قرار دیا جائے تو کیا حرج ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی تو فرمایا ہے کہ اہل فارس میں سے جو ایمان لائے وہ بنی فاطمہ میں سے ہے پس کیا اہل فارس خود حضرت فاطمہؓ کے لڑکے بن جاتے ہیں۔ اور پھر اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ جیسے قرآن و حدیث میں کثرت سے یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ تو حضرت مسیح موعودؑ سے اگر خدا تعالیٰ نے اس رنگ میں کلام کیا تو کیا حرج واقعہ ہؤا مثلاً قرآن شریف میں یہودیوں کو بار بار بنی اسرائیل کے نام سے پکارا جاتا ہے حالانکہ اسرائیل کو فوت ہوئے قریباً اڑھائی ہزار برس گذر گئے تھے۔ اور یہودیوں کو پھر بھی خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے نام سے پکارا ہے اگر یہ محاورہ عرب کا نہ ہوتا اور کتب الٰہیہ میں ایسا طریق نہ ہوتا تو اس وقت کے یہودی جو

بات بات پر اعتراض کرتے تھے فوراً بول اٹھتے اور شور مچا دیتے کہ دیکھو ایسا مت کہو ہم بنی اسرائیل نہیں- اور اپنے والدین کا نام بتاتے کہ ان لوگوں کی اولاد سے ہیں- اور پھر قرآن شریف میں حضرت ابراہیمؑ کی نسبت آتا ہے کہ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ (الانعام: ۸۵) یعنی ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ اور یعقوبؑ عطا کئے حالانکہ حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے نہ تھے- بلکہ حضرت اسحٰقؑ کے لڑکے تھے- پس معلوم ہؤا کہ خدا کے کلام میں ایسا آجاتا ہے اور اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی- اور پھر قرآن شریف میں آتا ہے وَإِذْ أَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (البقرہ: ۶۴) حالانکہ مخاطب تو وہ تھے جو نبی کریم ﷺ کے مخالف تھے- اور حوالہ ان کا دیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں گذرے ہیں- کیا یہودیوں کا حق نہ تھا کہ وہ کہتے کہ یہ غلط ہے ہم سے طُور کے نیچے کوئی معاہدہ نہیں لیا گیا- مگر افسوس کہ وہ آج کل کے معترضین سے زیادہ سمجھ رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ کبھی پہلوں کا نام لیا جاتا ہے اور مخاطب پچھلے کئے جاتے ہیں- اور پہلے مراد ہوتے ہیں- اور بیٹے سے پوتا یا پڑپوتا یا نسل میں سے کوئی اور شخص مراد ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی اعتراض کی بات نہیں ہوتی- پھر مسلمانوں کو بہت سے حکم قرآن شریف میں دیئے گئے ہیں- مثلاً يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ (الطلاق: ۲) یعنی اے نبی جب طلاق دو تم عورتوں کو تو طلاق دو ان کو ان کی عدت پر- تو کیا یہ احکام خاص حضرت نبی کریم ﷺ کے لئے ہیں- اور دوسرے مسلمان اس سے بری ہیں- اور اگر بفرض محال وہ شامل ہو گئے تو آج کل کے مسلمان تو ضرور اس کی پابندی سے آزاد ہوں گے- پس جب ایسا نہیں ہے اور کلام الٰہی میں اس قسم کا کلام آجاتا ہے- تو اس بے فائدہ اعتراض سے کیا فائدہ- اعتراض تو ایسا ہونا چاہئے جو عقل کے مطابق ہو اور پہلے انبیاءؑ پر نہ پڑے جب ایک اعتراض سے قرآن شریف اور احادیث صحیحہ اور کل انبیاء علیہم السلام پر حرف آتا ہے تو ایسا اعتراض بجائے فائدہ کے الٹا عذاب الٰہی کا موجب ہوتا ہے- پس وہ جو اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں خوش ہوتے ہیں چاہئے کہ ڈریں- کیونکہ خدا تعالیٰ کی غیرت شریر کو سزا کے بغیر نہیں چھوڑتی اور بے جا طعنہ کرنے والا خود مورد قہر الٰہی ٹھہرتا ہے- غور کرو کہ قرآن شریف میں صاف آتا ہے وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج: ۷۹) اور کوشش کرو اللہ کی راہ میں خوب کوشش- جس نے پسند کیا تم کو اور نہیں کی تمہارے لئے دین میں کوئی تنگی- وہ دین جو تمہارے باپ ابراہیم کا ہے جس نے تمہارا

نام مسلمان رکھا ہے۔ اب کیا ان آیات سے یہ نکلتا ہے کہ ہر ایک مسلمان کے باپ کا نام ابراہیم ہوتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو حضرت ابراہیمؑ کی طرز پر کام کرتا اور ان کے بتائے ہوئے رستہ پر چلتا ہے اور اسلام قبول کرتا ہے وہ خدا کے نزدیک ایسا ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا۔ ورنہ یہ بات ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کی سینکڑوں قومیں ایسی ہیں جو اسلام میں داخل ہیں مگر حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے نہیں اور نہ ان کی قوم کا حضرت ابراہیمؑ کے خاندان سے کوئی تعلق ہے پس جب خدا تعالیٰ نے ہر ایک اس شخص کو جو مسلمان ہوتا ہے۔ اور خدا کی راہ میں کوشش کرتا ہے حضرت ابراہیمؑ کا بیٹا قرار دیا اور بیٹے کے لفظ کو اس قدر وسیع کر دیا کہ بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل کی بھی کوئی شرط نہ رکھی تو پھر اگر آج اس خدا نے حضرت مسیح موعودؑ کی نسل میں سے کسی کو انہیں کا بیٹا قرار دیا تو کیا حرج ہے؟ جبکہ آج بیس کروڑ انسان جو مسلمان کہلاتے ہیں خواہ عرب کے رہنے والے ہوں یا شام کے غرضیکہ ایران' افغانستان' ہندوستان' چین' جاپان کے علاوہ یورپ و امریکہ کے باشندے بھی حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے کہلا سکتے ہیں اور خدا تعالیٰ قرآن شریف میں ان کو ابراہیمؑ کے بیٹے قرار دیتا ہے تو ایک شخص کو اگر حضرت مسیح موعودؑ کا بیٹا قرار دیا گیا تو کیا غضب ہؤا پھر حدیث دیکھتے ہیں تو اس میں بھی بہت سے ایسے محاورات پاتے ہیں مثلاً معراج کی رات جب آنحضرت ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے حضرت ابراہیمؑ کی نسبت پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ هٰذَا اَبُوْكَ الصَّالِحُ یعنی یہ تیرا نیک باپ ہے۔ اور ایسا ہی حضرت آدمؑ کی نسبت فرمایا۔ پس جب قرآن و حدیث سے یہ بات صاف ثابت ہے تو پھر حضرت اقدسؑ پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کو ایک لڑکے کا وعدہ تھا جو پورا نہ ہؤا۔ خدا کے وعدے ٹلا نہیں کرتے اور وہ پورے ہو کر رہتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی ہو گا۔ ان الہامات سے یہ مراد نہ تھی کہ خود حضرت اقدسؑ سے لڑکا ہو گا۔ بلکہ یہ مطلب تھا کہ آئندہ زمانہ میں ایک ایسا شخص تیری نسل سے پیدا ہو گا جو خدا کے نزدیک گویا تیرا ہی بیٹا ہو گا۔ اور وہ علاوہ تیرے چار بیٹوں کے تیرا پانچواں بیٹا قرار دیا جائے گا۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰؑ ابن داؤدؑ کہلاتے ہیں۔ ایسا ہی وہ آپ کا بیٹا کہلائے گا اور اس میری بات کی تائید خود حضرت اقدسؑ کے اس الہام سے بھی ہوتی ہے جو میں اوپر درج کر آیا ہوں یعنی کَفٰی هٰذَا جس کے معنی یہ تھے کہ حضرت اقدس کے ہاں اب نرینہ اولاد نہ ہو گی۔ چنانچہ اس کے بعد دو لڑکیاں ہوئیں اور لڑکا کوئی نہیں ہؤا۔ اور خود حضرت اقدسؑ کا بھی یہی خیال تھا۔ کیونکہ انہوں نے بھی ایک الہام جس میں بیٹے کی بشارت تھی اپنے پوتے پر لگایا تھا ورنہ اگر ان کو یہ خیال ہوتا کہ میرے ہی بیٹا ہو گا تو

پوتے پر کیوں لگاتے۔ سمجھتے کہ آئندہ بیٹا ہو گا اور وہ الہام پورا ہو جائے گا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ وہ الہامات کسی آئندہ نسل کے لڑکے کی نسبت تھے۔ خواہ پوتا ہو یا پڑپوتا ہو یا کچھ مدت بعد ہو۔ اب بعض لوگ اعتراض کر سکتے ہیں کہ ایک شخص جس کے چار لڑکے موجود ہوں کہہ سکتا ہے کہ میرے ایک لڑکا ہو گا۔ اور چونکہ اسکے اولاد موجود ہے اس لئے اس کے کوئی نہ کوئی تو بچہ ہو گا ہی پس کیا ہم اس طرح اس کو نبی مان لیں۔ اس لئے یہ بات بھی یاد رہے کہ اول تو ہم اس کی دیگر نشانیوں کو دیکھیں گے کہ وہ اس کی نبوت پر گواہی دیتی ہیں یا نہیں اگر واقعی اس کے ساتھ ایسے نشانات ہیں۔ جن سے ایک شخص نبی قرار دیا جا سکتا ہے تو اس میں کیا شک ہے کہ وہ نبی ہے۔ پیشگوئیاں بعض بڑے جلال کی ہوتی ہیں۔ بعض معمولی درجہ کی ہوتی ہیں اور ذرا ذرا سے واقعات کی بعض اوقات نبی کو خبر دی جاتی ہے تو اس پر اس بات سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرے یہ کہ حضرت اقدس نے صرف یہ پیشگوئی نہیں کی کہ میرے ایک بیٹا ہو گا بلکہ اس کے ساتھ شرائط رکھے ہیں اور وہ یہ کہ وہ حلیم ہو گا نیک فطرت اور پاک ہو گا۔ اس زمانہ کے لوگوں میں سے ایک خاص امتیاز رکھتا ہو گا۔ اور یحییٰؑ نبی کی خصلتوں پر ہو گا۔ اور سب سے بڑی شرط یہ کہ وہ اس جلال کے ساتھ آئے گا کہ گویا اس کے زمانہ میں خدا خود زمین پر اتر آئے گا۔ پس اگر کوئی شخص اس قسم کی پیشگوئی کرے اور وہ اپنے وقت پر پوری بھی ہو جائے تو کیا شک ہے کہ وہ سچا ہے اور اسکے الہام رحمانی ہیں۔ پس معترضین کو چاہئے کہ بجائے ان پیشگوئیوں پر اعتراض کرنے کے ان پیشگوئیوں کو دیکھیں جو اس خاص زمانہ کے لئے ہیں اور جو سینکڑوں کی تعداد میں پوری ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ اگر آئندہ ہونے والی پیشگوئیوں کو نظر اعتراض سے دیکھا گیا تو کوئی نبی سچا ثابت نہ ہو سکے گا مثلاً حضرت موسیٰؑ نے خبر دی تھی کہ میری قوم شام کی وارث ہو گی اگر ان کے فوت ہونے سے انکی قوم بگڑ جاتی اور ان کو کافر دجّال ٹھہراتی تو کس قدر مشکل پڑتی۔ یا جب حضرت داؤدؑ سے وعدے کئے گئے تھے اور وہ حضرت مسیحؑ کے وقت میں پورے ہوئے تو کیا درمیانی زمانہ کے لوگوں کا حق نہ تھا کہ وہ اعتراض کرتے کہ فلاں فلاں وعدہ پورا نہیں ہوا یا حضرت عیسیٰؑ نے جب اپنے حواریوں کو تختوں کے وعدے دیئے تھے اور اپنے لئے بادشاہی کی خبر دی تھی تو اس وقت اگر وہ لوگ انکار کر بیٹھتے کہ خود تو سولی پر لٹکایا گیا معلوم نہیں ہمارا کیا حال ہو گا تو کیا ان کے لئے بہتر ہوتا؟ یا ہمارے نبی کریم ﷺ نے ریل کی سواری کی خبر دی تھی جو آج کل آکر پوری ہوئی تو کیا بیچ کی بارہ صدیوں کے لوگ دین اسلام کو ترک کر دیتے اور کفر اختیار کر لیتے کہ وہ نئی سواری کا وعدہ پورا نہیں ہوا۔ پس جب سب نبیوں سے

ایسا ہوتا چلا آیا ہے اور انہوں نے آئندہ زمانہ کی خبریں بھی دیں ہیں۔ تو اگر حضرت مسیح موعودؑ نے کچھ آئندہ کی خبریں دیں اور بتایا کہ میری نسل میں سے ایک ایسا لڑکا ہوگا جس کی ہیبت اس قدر ہوگی کہ گویا خدا آسمان سے اس کی مدد کے لئے اتر آیا تو کیا ہوا؟ اس سے تو ان کی اور بھی سچائی ثابت ہوگی۔ اور اس وقت کے لوگ اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھیں گے۔ اور مزہ اٹھائیں گے۔ آج کل کے لوگوں سے جو وعدے ہیں وہ ان پر غور کریں اور ان پر جو شکوک ہیں وہ بیان کریں اور توبہ استغفار ساتھ کرتے رہیں تا انہیں اصل حقیقت معلوم ہو اور خدا اپنے خاص فضل سے ان پر سچائی کھول دے۔ اور وہ صراط مستقیم دیکھ لیں تاکہ ہلاکت سے بچ جائیں۔ ورنہ جیسا کہ میں لکھ آیا ہوں یہ بیٹے کی پیشگوئی تو کسی ایسے لڑکے کی نسبت ہے جو آپ کی نسل سے ہوگا اور بڑی شان کا آدمی ہوگا اور خدا کی نصرت اس کے ساتھ ہوگی۔ اور یہ بھی میں ثابت کر آیا ہوں کہ حضرت اقدس کے الہامات میں ہی اس قسم کے استعارہ نہیں ہیں بلکہ پہلے نبیوں کے کلام میں اور قرآن و حدیث میں بھی ہیں کہ بیٹا کہا جاتا ہے اور مراد نسل میں سے کوئی آدمی ہوتا ہے۔

اب اس کے بعد میں ایک اور چھوٹا سا اعتراض لکھ کر اس کا جواب دیتا ہوں۔ جو کہ اگرچہ بہت فضول ہے لیکن چونکہ بعض طبیعتوں میں خلجان پیدا ہو رہا ہے۔ اس لئے اس پر بھی لکھنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ حضرت اقدس تو وفات پا گئے مگر مولوی محمد حسین صاحب نے اب تک توبہ نہیں کی اور آپ پر ایمان نہیں لائے۔ سو یاد رہے کہ حضرت صاحب نے یہ بات کہیں نہیں لکھی کہ وہ میری زندگی میں ایمان لائیں گے بلکہ اگر کہیں لکھا ہے تو یہ کہ مولوی صاحب مجھ کو مانیں گے۔ سو مولوی صاحب اب تک خدا کے فضل سے زندہ ہیں اور تندرست ہیں یہ کون سی بڑی بات ہے کہ وہ اپنی طرز کو بدل دیں جہاں انہوں نے مہدی کے عقائد باطلہ کا رد کر دیا ہے اور گورنمنٹ کو اطمینان دلایا ہے کہ ایسا کوئی مہدی یا مسیح نہیں آئے گا جو خون کی ندیاں بہائے اور مولویوں کے گھروں کو لوٹ کے مال سے بھرے بلکہ وہ دلائل قاطع سے دنیا میں تبدیلی پیدا کرے گا۔ تو کیا تعجب ہے کہ وہ کچھ تھوڑا سا فرق جو ہم میں اور ان میں رہ گیا ہے اس کو بھی دور کر دیں۔ خدا کے ہاتھ میں ہر ایک کے دل ہیں اور وہ ہر ایک کے ارادہ پر متصرف ہے۔ جب وہ اپنی زندگی پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ انہوں نے اپنے بچپن کے رفیق اور جوانی کے غمگسار اور ادھیڑ عمر کے ہادی سے اپنی گذشتہ عمر میں کیا کیا سلوک کئے ہیں اور باوجود اس کے کہ انہوں نے اپنے پورے زور سے اس کے سلسلہ کو تباہ کرنا چاہا مگر خدا نے اس کو ہر میدان اور ہر جگہ میں فتح ہی دی اور پھر اپنے لئے اس کی

تڑپ اور غم اور ہمدردی اور سچ پر لانے کے لئے کوشش کو ملاحظہ کریں گے تو خود بخود ان کے دل سے تَاللّٰہِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَاِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ (یوسف:۹۲) کی آواز آئے گی اور جب وہ شعر پڑھیں گے کہ

حُسَیْنٌ دَفَاہُ الْقَوْمُ فِیْ دَشْتِ کَرْبَلَا	وَ کَلَّمَنِیْ ظُلْمًا حُسَیْنٌ آخَرُ
ایک حسینؓ وہ تھا جس کو دشمنوں نے کربلا میں قتل کیا	اور ایک وہ حسینؓ ہے جس نے مجھ کو ظلم سے مجروح کیا
کَمِثْلِکَ مَعَ عِلْمٍ بِحَالِیْ وَ فِطْنِہٖ	عَجِبْتُ لَہٗ یَبْغِی الْھُدٰی ثُمَّ یَأْطُرُ
تیرے جیسا آدمی میرے حال سے واقف اور دانا	تعجب ہے کہ وہ ہدایت پر آکر پھر راہ راست چھوڑ دے
قَطَعْتَ وِدَادًا قَدْ غَرَسْنَاہُ فِی الصَّبَا	وَ لَیْسَ فُؤَادِیْ فِی الْوِدَادِ یُقَصِّرُ
تونے اس دوستی کو کاٹ دیا جس کا درخت ہم نے بچپن میں لگایا تھا	مگر میرے دل نے دوستی میں کوئی کوتاہی نہیں کی
وَوَ اللّٰہِ اِنْ اُجْعَلْ عَلَیْکَ مُسَلَّطًا	فَاِنَّ یَدِیْ عَمَّا یُجَازِیْکَ تَقْصُرُ
اور قسم ہے خدا کی اگر میں تجھ پر مسلط کیا جاؤں	تو میرا ہاتھ تجھے سزا دینے سے قاصر رہے گا

تو ان کا دل یوسفؑ کے بھائیوں سے کچھ کم درد محسوس نہ کرے گا۔ مگر اصل بات تو یہی ہے کہ جس کو خدا ہدایت دے وہی ہدایت پا سکتا ہے ان کی نسبت بیشک خدا کی طرف سے ایک بشارت ہے اور حضرت اقدسؑ نے بارہا اس کا ذکر بھی کیا ہے مگر نا معلوم کہ وہ کیونکر پوری ہو کیونکہ حضرت اقدسؑ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کو موت کے وقت اطلاع دی جائے گی کہ حق پر نہیں ہیں۔ اور اس بات پر مخالفین کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ قران شریف میں جو یہ لکھا ہے کہ فرعون نے مرتے وقت کہا کہ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (یونس:۹۱) تو اس کا ثبوت سوائے اس کے کیا ہے کہ خدا کے کلام میں یوں آیا ہے پس اگر کوئی شخص حضرت اقدسؑ پر اعتراض کرے تو اس کو چاہئے کہ پہلے اس بات کو سوچ لے کہ یہ اعتراض خود کلام پاک قرآن شریف پر بھی وارد ہو گا۔ پس اصل بات یہ ہے کہ کلام اللہ کے کئی حصے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ پیشگوئیاں ہوتی ہیں جو دشمنوں پر حجت قائم کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔ اور ایک ایسی ہوتی ہیں جو اپنوں کی اصلاح کے لئے ہوتی ہیں۔ اور تیسری وہ جو ایمان بالغیب کے لئے ہوتی ہیں۔ مثلاً بہشت کے متعلق جو بعض وعدے قرآن و احادیث میں کئے گئے ہیں ان پر کوئی مخالف اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اس تیسرے حصہ میں ہیں اور اس کی مثالیں ہر ایک قوم اور مذہب کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ پس اگر مولوی صاحب موصوف اپنی وفات کے وقت ایمان لے آئیں تو اس پر دشمنوں

کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ وہ اس کو فرعون کا معاملہ سمجھ لیں۔ اور اول تو یہ اعتراض قبل از وقت ہے مولوی صاحب ابھی زندہ ہیں ایمان لانے کا بہت وقت پڑا ہے۔ اس پر اعتراض کرنا ہی فضول ہے۔ کیا مولوی صاحب فوت ہو گئے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے۔؟

تیسرا اعتراض زلزلہ کے بارے میں کیا جاتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے لکھا ہے کہ یہ زلزلہ میرے سامنے آئے گا حالانکہ آپ فوت ہو گئے اور کوئی زلزلہ نہیں آیا۔ سو یاد رہے کہ حضرت اقدسؑ کو کئی الہامات زلزلوں کے بارے میں آئے ہیں بعض جگہ تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زلزلہ آپؑ کے سامنے آئے گا۔ اور بعض جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے بعد آئے گا۔ سو اس کی یہ وجہ ہے کہ آپ نے کئی زلزلوں کی خبر دی تھی بعض کی نسبت تو آپؑ نے خبر دی ہے کہ وہ میرے سامنے آئیں گے۔ چنانچہ الہامات کے بعد بڑے بڑے خوفناک زلزلے آئے جنہوں نے زمین کو ہلا دیا۔ اور دنیا کانپ گئی اور بہت سے انسان چیخ اٹھے کہ یہ کیا ہونے والا ہے۔ چنانچہ سول ملٹری گزٹ نے بھی لکھا کہ نہ معلوم دنیا کو کیا ہونے والا ہے۔ چنانچہ جنوبی امریکہ 'بخارا' اور کوئٹہ کے خوفناک زلزلے کچھ ایسے نہیں ہیں کہ نظر انداز کئے جائیں۔ پس جہاں یہ الہام پورے ہوئے ہیں باقیوں کا بھی انتظار کرنا چاہئے اور ایک عظیم الشان زلزلہ کی خبر جو نصرت الحق میں دی گئی ہے اور اس میں حضرت اقدسؑ نے لکھا ہے کہ وہ میرے سامنے آئے گا تو اس کی نسبت یہ الہام بھی درج ہو چکا ہے کہ رَبِّ اَخِّرْ وَقْتَ ھٰذَا یعنی اے میرے خدا یہ زلزلہ جو نظر کے سامنے ہے اس کا وقت کچھ پیچھے ڈال دے اور اس سے پہلے حضرت اقدس نے صاف لکھا ہے کہ "آج زلزلے کے وقت کے لئے توجہ کی گئی کہ وہ کب آئے گا اسی توجہ کی حالت میں زلزلہ کی صورت آنکھوں کے آگے آگئی"۔ پس اس الہام سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس زلزلہ میں تاخیر ہو گئی ہے اور وہ کچھ مدت بعد واقعہ ہو گا اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت کے بعد ہو گا۔ کیونکہ اس کا نظارہ ایسا خوفناک نظر آیا ہے کہ آپ نے دعا کی کہ یا اللہ اس زلزلہ کو ابھی ٹال دے یعنی میری زندگی میں نہ آئے۔ کیونکہ اگر وہ آپ کی زندگی میں آتا تو پھر اس کا دوسرے وقت پر ٹلنا بے فائدہ تھا۔ اور اس کا خوفناک نظارہ آپ کو دیکھنا پڑتا۔ پھر اس الہام کے ساتھ ایک اور الہام ہے کہ اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی یعنی خدا نے تیری دعا سن لی اور اس زلزلہ کو تیری زندگی کے بعد کسی وقت پر ٹال دیا۔ پس اب اس پیشگوئی پر کس کو اعتراض ہو سکتا ہے۔ اگر حضرت اقدسؑ کو ایک زلزلہ کا الہام ہوتا تب تو اعتراض کی کچھ گنجائش ہو سکتی تھی کہ وہ نہیں آیا۔ مگر جب چار پانچ زلزلوں کی طرف اشارہ تھا جو قیامت کا نمونہ ہوں گے مگر

ایک ان میں سے بہت بڑا ہو گا۔ اور اس کی نسبت آپ نے لکھا تھا کہ وہ میرے سامنے آئے گا مگر پھر الہام ہؤا کہ نہیں آئے گا۔ تو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ بیشک ہم مانتے ہیں کہ یہ الہامات بھی تھے کہ آپ کے سامنے بھی کئی زلزلے آئیں گے مگر وہ پورے بھی ہوئے۔ اور ان پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ امریکہ کے زلزلے اور بخارا اور کوئٹہ کے زلزلے جنہوں نے ایک دم میں ہزاروں جانوں اور کروڑوں روپے کا نقصان کر دیا۔ انہیں الہامات کے مطابق تھے۔ جو حضرت صاحب کی زندگی میں آئے اور کل الہامات کو پورا کر گئے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ الہام کے الفاظ تو یہ تھے کہ اُرِیْكَ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ یعنی میں تجھے سخت زلزلہ دکھاؤں گا۔ پس امریکہ اور بخارا کے زلزلے آپ نے کہاں دیکھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عربی زبان کا محاورہ ہے جو ایسے موقعوں پر استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن شریف میں آتا ہے کہ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے اصحاب فیل سے کیا کیا۔ حالانکہ اصحاب فیل کا واقعہ تو نبی کریم ﷺ سے پہلے ہو چکا تھا۔ انہوں نے کب دیکھا کہ خدا نے ان سے کیا کیا۔ پس اس بات پر اعتراض کرنا کسی نادان کا ہی کام ہے دانا ایسا نہیں کر سکتا۔ پھر ایک اور بات ہے۔ کہ اگر بفرض محال ہم مان بھی لیں کہ حضرت کا کوئی الہام نہ تھا کہ یہ زلزلہ تیرے بعد آئے گا۔ تو بھی کیا حرج ہے آپ کو بار بار الہام ہوتا ہے وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یعنی یا تو ہم بعض وعید کی پیشگوئیاں تجھے دکھلائیں گے یا وفات دیں گے۔ یعنی بعض ان میں سے تجھے دکھائیں گے اور بعض تیرے بعد ظہور میں آئیں گی۔ پس اگر یہ پیشگوئی ٹل گئی ہو اور خدا نے کچھ مدت تک ملتوی کر دی ہو تو کیا تعجب ہے۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ اس کی اطلاع خدا نے نہیں دی تو یاد رہے کہ یونس نبی کو بھی اسکی اطلاع نہیں ملی تھی۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یونس نبیؑ کا قصہ اس معاملہ کو حل کر دیتا ہے۔ کیونکہ ان سے بھی وعدہ تھا کہ چالیس دن تک ان کی قوم پر عذاب آئے گا اور ان کی زندگی میں ہو گا۔ مگر وہ عذاب ٹل گیا تو کیا اس سے یہ لازم آیا کہ یونس نبیؑ ہمیشہ زندہ رہے۔ کیونکہ نہ وہ عذاب آئے گا اور نہ اسکی موت کا وقت آئے گا۔ پس جب ایسا نہیں تو اس موقعہ پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ خدا نے اس عذاب کو ایک مدت پیچھے ٹال دیا۔ تو کیا اب ضروری تھا کہ وہ اس وقت تک حضرت اقدسؑ کو زندہ رکھتا۔ مگر یہ جواب ہم مخالفین کے تمام اعتراضوں کو مان کر دیتے ہیں۔ ورنہ حقیقی جواب یہی ہے کہ حضرت اقدسؑ کو بہت سے زلزلوں کی خبر دی گئی تھی اور الہام تھا کہ یہ تیری زندگی میں آئیں گے چنانچہ جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں وہ آئے بھی۔ اور ایک عظیم الشان زلزلہ کی جو خبر دی گئی تھی کہ

وہ آپؑ کی زندگی میں آئے گا اس کی نسبت دوبارہ الہام ہو چکا تھا کہ وہ آپ کی موت کے بعد ہو گا- چنانچہ اسی طرح ہؤا- اور میں وہ دونوں الہام جو اس بارہ میں ہوئے اوپر درج کر آیا ہوں- پس یہ کہنا کہ وہ زلزلہ حضرت صاحبؑ کی زندگی میں کیوں نہ آیا ایک بیہودہ اعتراض ہے اور بے فائدہ ضد ہے-

اب آخر میں اس قدر اور لکھنا چاہتا ہوں کہ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ دلائل تو ان لوگوں کے لئے ہوئے جو مسلمان ہیں یا عیسائی ہیں- مگر آریوں کے لئے جو ان مذکورہ بالا پیشگوئیوں پر اعتراض کرتے ہیں کیا جواب ہیں- سو یاد رہے کہ اول تو میرے جواب قریباً کل کے کل ایسے ہیں جو خدا کے فضل سے کل قوموں کے لئے ہیں مثلاً عمر کی نسبت شہادۃ صحیحہ کہ وہ پوری ہوئی اور الہام کے مطابق ہوئی- نکاح کے متعلق یہ جواب کہ اس کا ایک حصہ اس صفائی سے پورا ہؤا کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور دوسرا اس لئے التواء میں پڑ گیا اور فسخ کیا گیا کہ جن کی نسبت سزا تجویز تھی انہوں نے رجوع کیا اور ایک اور صریح جواب یہ دیا ہے کہ خود حضرت اقدسؑ لکھ گئے ہیں کہ وہ فسخ ہو گیا یا التواء میں پڑ گیا ہے- اور زمانہ نے بتا دیا ہے کہ وہ فسخ ہی ہو گیا ہے- پس جب خود ملہم کہہ گیا ہے کہ وہ فسخ ہو گیا تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے- اور بیٹے کی نسبت بھی لکھ آیا ہوں کہ حضرت کے الہاموں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان کے ہاں نہیں بلکہ آئندہ نسل سے ہو گا اور ایک خاص شان کا ہو گا- اور مولوی محمد حسین اور زلزلہ کی نسبت بھی ایسے ہی جواب دے آیا ہوں- پس اگر ان کا کوئی اعتراض ہو سکتا ہے تو ان جوابوں پر جو گذشتہ نبیوں کی مثالیں دیکر دیئے گئے- سو وہ الزامی جواب ہیں حقیقی نہیں حقیقی وہ ہیں جو سب کے لئے ایک ہیں- اور دوسرے ان لوگوں کے لئے ہمارا صاف جواب یہ ہے کہ ہمیشہ کثرت دیکھنی چاہئے- پیشگوئیوں میں متشابہات بھی ہوتی ہیں- بعض آئندہ زمانہ کے لئے ہوتی ہیں- پس ان پر اعتراض نہیں ہو سکتا- کثرت کی طرف نظر کرنی چاہئے- سو جہاں حضرت اقدسؑ کی ہزاروں پیشگوئیاں روز روشن کی طرح پوری ہوئیں- اگر چند پیشگوئیاں کسی وجہ سے بعض لوگوں کو سمجھ میں نہ آئیں تو ان پر اعتراض کرنا محض ضد اور تعصب ہے اور صداقت کے طالب ان باتوں سے دور ہیں- اور دوسری یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حضرت اقدسؑ کے تین دعوے تھے ایک مہدیؑ کا ایک عیسیٰؑ کا ایک کرشنؑ کا اور اس وقت تین قومیں ہی زبردست ہیں مسلمان، عیسائی اور ہندو- پس ہر ایک قوم کے لئے جو معجزات دکھلائے گئے ہیں- وہ انہیں کے رنگ کے ہیں- مسلمانوں اور عیسائیوں کے نبیوں کے حالات چونکہ معلوم ہیں اس لئے ان کے رنگ کی

پیشگوئیاں ان کو دکھلائی گئیں- یعنی بعض پیشگوئیاں صاف اور بعض متشابہات کے رنگ میں کیونکہ ان کے نبیوں کی پیشگوئیاں بھی اسی طرز پر ہیں اور اس لئے وہ ہم پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتے ہاں کرشن ہونے کی حالت میں جو پیشگوئیاں ہندوؤں کی کل قوموں کو دکھلائی گئی ہیں ان پر اعتراض کرنے کا ان کو حق حاصل ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ چونکہ ہندوؤں کے نبیوں کے حالات غائب ہیں اور پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتے اور ان میں کوئی تاریخ نہیں جس سے ان کے اصل واقعات کا پتہ مل سکے- اور دوسرے ان کی ایک قوم آریہ ان نبیوں کے وجود سے بھی منکر ہے- اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کے لئے جو معجزات دکھائے وہ ایسے صاف ہیں کہ ان پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا- مثلاً دیانند، لیکھرام اور قادیان کے بعض آریوں کی نسبت پیشگوئیاں ایسی صاف اور صریح ہیں کہ کسی ہندو کی مجال نہیں کہ ان پر اعتراض کرسکے- بلکہ بعض سلیم الفطرت ہندو صاف طور سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ پوری ہوگئیں- اور بعض کے نام حضرت اقدسؑ نے اپنی بعض کتابوں میں درج بھی کئے ہیں- پس ہندو صاحبان کو چاہئے کہ اعتراض کرشن کے معجزات پر کریں جو ان کے لئے ہیں کیونکہ ہر ایک قوم پر اسی کے رنگ میں حجت قائم کی جاتی ہے اور دوسروں کو اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا- مثلاً ایک قوم اخلاقی تعلیم کو اصل دارومدار سچائی کا سمجھتی ہے- تو اس پر ہم اسلام کی سچائی اسی رنگ میں ثابت کریں گے اور دوسری قوموں کو اس پر کوئی اعتراض کا حق نہ ہوگا- یا مثلاً ہم عیسائیوں کو کہیں کہ جن نشانیوں کا نبی توریت میں بتایا گیا تھا وہ ہمارے نبی کریم ﷺ تھے اور یہ ان کی سچائی کا ایک نشان ہے- تو اس پر آریوں یا سناتن دھرم کو کچھ اعتراض نہیں ہوسکتا- کیونکہ ان کے رنگ میں ان پر اتمام حجت قائم کی گئی- پس ہندو قوموں کو چاہئے کہ وہ کرشن والی پیشگوئیوں پر اعتراض کریں جہاں خدا کے فضل سے ان کو اعتراض کی کوئی گنجائش نہ ملے گی کیونکہ خدا تعالیٰ نے انہیں کے رنگ میں ان پر اتمام حجت قائم کی ہے- پس یاد رہے کہ اول تو کل جواب جو میں دے آیا ہوں وہ سب قوموں کے لئے یکساں ہیں- اور دوسرے کثرت دیکھنی چاہئے- اور تیسرے ہندو قوموں کو ان پیشگوئیوں پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے جو کرشن کی حیثیت میں ہیں- اور خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے وہ پیشگوئیاں بالکل صاف طور سے پوری کی ہیں- کیونکہ اگر ان میں متشابہات ہوتے تو ہم کو آریوں پر ان کی سچائی ثابت کرنی مشکل ہوجاتی- کیونکہ ان کے نبیوں کے حالات ملنے بہت مشکل بلکہ قریباً ناممکن ہیں- پس خدا کے فضل سے دنیا کی کوئی قوم نہیں جو حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات پر اعتراض کرسکے اور خدا تعالیٰ کا کلام بڑے زور سے پورا ہوکر ان کی سچائی

پر مہر لگا رہا ہے- کہ لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی اور دوسرا یہ الہام کہ قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدَّرُ وَلَا نُبْقِیْ لَکَ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا۔

اب اس کے بعد میں اتنا لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت اقدسؑ کی پیشگوئیوں پر جو اعتراضات کا سلسلہ مخالفین نے شروع کیا ہے وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے اور حق پسندی کے لحاظ سے ان کو کوئی حق نہیں کہ وہ اس قسم کے اعتراض کریں- کیونکہ بعض ایسی پیشگوئیوں پر اعتراض کرنا جو متشابہات سے ہوں راستی کا شیوہ نہیں- کیونکہ پیشگوئیوں کی تصدیق اس طرح نہیں ہؤا کرتی کہ تمام کی تمام پیشگوئیاں بالکل صاف اور سیدھے رنگ میں پوری ہو جائیں اور ہر ایک شخص ان کو سمجھ سکے- چنانچہ قرآن شریف نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا ہے- اور اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی- کیونکہ قرآن شریف کے اول ہی صفحہ پر یہ آیت تحریر ہے کہ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ یعنی قرآن شریف میں ہدایت ہے ان متقیوں کے لئے جو غیب کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں یعنی وہ یہ نہیں چاہتے کہ وہ تمام آیاتِ الٰہیہ کی طرح ان کے آگے کھول کر رکھ دی جائیں- اور ایسی سیدھی طرح سے ان کو پیش کیا جائے کہ کوئی ذی روح بھی ان سے انکار نہ کر سکے- بلکہ جب بعض باتیں دیکھتے ہیں جن سے مذہب کی سچائی ثابت ہوتی ہے تو پھر وہ اسی سے اندازہ لگا کر باقی غیب کی باتوں پر ایمان لے آتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ سنّتِ الٰہیہ کے مطابق بعض پیشگوئیاں یا بعض احکام متشابہات ہوتے ہیں جو کہ ممکن ہے کہ ایک کی سمجھ میں نہ آئیں اور دوسرے کی عقل ان کو پالے اور ان کی سچائی کی تصدیق کرے- پس خداوند تعالیٰ ایسے ہی لوگوں کو متقی قرار دیتا ہے جو کہ عقل سے کام لیتے ہیں- اور ہر ایک بات کو روز روشن کی طرح صاف دیکھنا ضروری نہیں سمجھتے- اور اگر ہر ایک بات ایسی صاف ہو جایا کرے کہ اندھے سے اندھا بھی اس کو سمجھ لیا کرے تو دنیا میں کفر و ارتداد کا سلسلہ ہی نہ رہے- حالانکہ قرآن شریف سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کفار ہمیشہ دنیا پر رہیں گے- اور خود زمانہ کی رفتار اس بات کو ثابت کرتی ہے اور اگر کسی نبی کے زمانہ میں کل کی کل دنیا مسلمان ہو سکتی تھی- تو اس بات کے سب سے زیادہ مستحق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو تمام نبیوں کے سردار اور خاتم النّبیّٖن ہیں- مگر جب ان کے زمانہ میں ایسا نہیں ہؤا تو پھر کسی اور نبی کی نسبت ہم کب یہ گمان کر سکتے ہیں کہ اس کے زمانہ میں تمام کی تمام دنیا ایمان لے آئے گی اور کفر کا نام دنیا سے مٹ جائے گا- اور اگر کوئی شخص ایسا گمان کرتا ہے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح ہتک کرتا ہے- اور آیت شریفہ وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ

كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (اٰل عمران: ۵۶) بھی صاف ظاہر کرتی ہے کہ قیامت تک کفر اور ارتداد کا سلسلہ جاری رہے گا اور سچے نبیوں کے دشمن ہمیشہ اور ہر جگہ موجود رہیں گے۔ پس معلوم ہؤا کہ کبھی اور کسی نبی کے وقت ایسے کھلے کھلے نشان نہیں دکھائے گئے کہ تمام کی تمام دنیا ایمان لے آئے۔ بلکہ ہر زمانہ میں کچھ محکمات اور کچھ متشابہات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت نوحؑ کے دشمن آخر وقت تک انکار کرتے رہے۔ کہ ہم کو کوئی نشان نہیں دکھایا گیا اور آخر ذلت سے ہلاک ہوئے۔ اور حضرت ابراہیمؑ اور اسحقؑ کے دشمنوں کا بھی یہی حال رہا۔ اور پھر حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں فرعون کو بھی یہی شکایت رہی کہ کوئی نشان آسمانی لاؤ۔ عصا کا سانپ بنانا تو ایک سحر ہے اور غرق ہوتے وقت اس پر ظاہر ہؤا کہ سچا کون تھا اور جھوٹا کون۔ اور جب اس پر اس حد تک بات کھل گئی اور ثابت ہو گیا کہ حضرت موسیٰؑ سچے تھے تو اس وقت اس کو ایمان نے کوئی فائدہ نہ دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حق بالکل ظاہر ہو جائے اور کوئی امتیاز عقلمند اور بے عقل میں فرق کرنے کا نہ رہے تو اس وقت کا ایمان کام نہیں آتا۔ پس کسی نبی سے ایسے معجزات کا طلب کرنا جو بالکل صریح ہوں اور متشابہات ان میں قطعاً نہ ہوں بالکل بے فائدہ اور سنت اللہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب ایسے صاف نشانات کسی نبی کی سچائی ثابت کرنے کے لئے ظاہر ہوں تو پھر اس پر ایمان لانا بالکل بے فائدہ ہو گا اور ایسے وقت میں ایمان لانے والے کو رضائے الٰہی کے حاصل کرنے کا موقع نہ ملے گا اور اس کا حشر وہی ہو گا جو فرعون کا ہؤا۔ مگر چونکہ خدا تعالیٰ کا منشاء کسی نبی کے بھیجنے سے عام اصلاح کا ہوتا ہے۔ اور کھوٹے کو کھرے سے پرکھنے کا ہوتا ہے۔ اس لئے ہر ایک نبی کے وقت معجزات ایسے ہی رنگ میں دکھائے جاتے ہیں کہ سعید الفطرت اور عقلمند لوگ ان سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ مگر کج طبع اور بد باطن انسان اس نور کے حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں اور آخر تک کٹ حجتی کرتے رہتے ہیں اور باوجود سینکڑوں نشانوں کے وہ سمجھتے ہیں کہ ابھی کوئی نشان نہیں دکھایا گیا اور ایسے لوگوں کا سوائے عذاب الٰہی کے کوئی جواب نہیں ہوتا۔ جب عذاب آتا ہے تو پھر سمجھتے ہیں کہ ہاں خدا کا وعدہ سچا تھا اور اس کا رسول برحق مگر اس وقت کا ایمان کسی کام نہیں آتا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی لوگوں نے ایسے ہی اعتراض کئے اور کہا کہ آپؐ آسمان پر چڑھ کر کتاب لائیں تب آپ کو ہم مان لیں گے۔ مگر اسکا جواب جو ملا وہ ظاہر ہی ہے کہ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل: ۹۴) یعنی کافر نبی کریم ﷺ کو کہتے ہیں

کہ اگر آپؐ کے لئے ایک سونے کا مکان ہو یا آسمان پر چڑھ جائیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ مگر صرف آسمان پر چڑھنا ہی کافی نہیں بلکہ وہاں سے ایک ایسی کتاب بھی لے آئیں جس کو ہم پڑھ سکیں۔ (خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ) ان کو کہہ دے کہ میں کیا ہوں صرف ایک بشر رسول ہوں۔ یعنی بشر رسول سے تو ایسے صاف اور صریح کام نہیں ہوتے جو خلاف سنت بھی ہوں اور خلاف بشریت بھی ہوں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ ایسا صاف معجزہ دکھا دیتے تو کل کے کل کفار مسلمان ہو جاتے۔ بلکہ کل دنیا کے لوگ آپؐ پر ایمان لے آتے لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ معجزات ایسے صاف نہیں دکھاتا کہ جن سے کل دنیا مان جائے۔ اور ایمان لانا صدق کی بناء پر نہ رہے اور ہر کاذب و صادق کو زبردستی نبی کی طرف جھکا دیا جائے۔ اس لئے وہ معجزات میں ایسے متشابہات بھی رکھتا ہے جن سے سعید لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسرے لوگ الٹا اور بھی بیزار ہو جاتے ہیں۔ اور صریح پیشگوئیوں اور محکمات کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جس سے نیکوں اور بدوں میں ایک بیّن فرق ہو جاتا ہے۔ اور دنیا دیکھ لیتی ہے کہ کون سچائی کا دلدادہ ہے اور کون جھوٹ اور فریب کا شیدا۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ باوجود ہزاروں معجزات اور آیات کے بہت سے خبیثوں نے نبی کریم ﷺ کی مخالفت کی اور ان کو نہیں مانا۔ اور بجائے محکمات کے متشابہات کی طرف گئے۔ اگر تعلیم پر ان کی نظر پڑی تو متشابہات پر اور اگر آیات پر انہوں نے غور کیا تو متشابہات کو مد نظر رکھا۔ پس اس وجہ سے وہ ہلاک ہو گئے اور سچائی کو دیکھ نہ سکے مگر جنہوں نے متشابہات کی پرواہ نہیں کی اور ایمان بالغیب کے مسلّم مسئلہ پر عمل کیا وہ ان تمام مشکلات سے بچ رہے اور ہر قسم کے ابتلاؤں سے محفوظ رہے۔ انہوں نے اصول کو دیکھا اور فروع کو ان کے مطابق کیا۔ مگر برخلاف اس کے کفار نے چاہا کہ پہلے چھت تیار کریں اور پھر بنیاد رکھیں گے اور وہ ناکامیاب ہوئے۔ پس اصل شناخت کسی نبی کی اس طرح ہو سکتی ہے کہ کثرت کی طرف نظر کی جائے اور متشابہات کو نظر انداز کیا جائے۔ کیونکہ جب تک ایسا نہ کیا جائے کبھی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اور راستی اور حق پسندی بھی یہی چاہتی ہے کہ جو حق ثابت ہو گیا ہے اس کو قبول کیا جائے اور جو سمجھ میں نہیں آتا اس کے لئے انتظار کیا جائے۔ اور جو شخص دس محکمات پیشگوئیوں کو نہیں مانتا اس سے کیا امید ہو سکتی ہے کہ ایک پیشگوئی جو متشابہات سے ہے اگر پوری ہو جائے تو وہ اس کو مان لے گا۔ بلکہ غالب یقین یہی ہے کہ وہ اس سے بھی کوئی بہانہ بنا کر چھٹکارا کر لے گا۔ پس سچا اصول یہی ہے کہ انسان ہر وقت قرآن شریف کی اس آیت کو مد نظر رکھے کہ هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ

اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ...... (اٰل عمران: ۸) یعنی وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب جس میں نشان ہیں محکمات بھی جو کتاب یعنی قرآن شریف کی جڑ ہیں اور دوسری ایسی باتیں بھی اس میں ہیں جو متشابہات ہیں- یعنی بعض باتیں جو اصول کے طور پر بتائی گئی ہیں وہ تو محکمات ہیں- اور بعض متشابہات بھی ہوتی ہیں جو بعض کو سمجھ آتی ہیں اور بعض کو نہیں اور ان کا صحیح علم خدا تعالیٰ کے پاس ہوتا ہے پس ان پر اعتراض کرنا انہیں لوگوں کا کام ہے جو کج طبع ہیں پس ہر ایک نبی کی سچائی کو پرکھنے کے لئے اس کی تمام پیشگوئیوں پر مجموعی نظر ڈالنی چاہیے اور دیکھنا چاہیئے کہ کثرت کس طرف ہے اور محکمات بھی ہیں یا تمام متشابہات ہی ہیں- اور اگر ثابت ہو کہ محکمات بھی ہیں تو متشابہات کو چھوڑ کر چاہیئے کہ سچائی کی راہ کو قبول کیا جائے- اور کثرت کو مدنظر رکھ کر قلت کا خیال نہ کیا جائے یعنی جب اکثر پیشگوئیاں محکمات سے ہوں اور تھوڑی سی متشابہات سے تو چاہیئے کہ محکمات کا لحاظ کیا جائے اور متشابہات کو خدا کے علم پر چھوڑ دیا جائے- ورنہ اگر یہ اصول نہ برتا جائے تو کسی نبی کی سچائی ثابت نہیں ہو سکتی اور آدمؑ سے لے کر نبی کریم ﷺ تک تمام نبی نعوذ باللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں کیونکہ ہر ایک کے ساتھ متشابہات لگے ہوئے ہیں- اور ایمان بالغیب کا مسئلہ بھی بالکل اڑ جاتا ہے- کیونکہ اگر متشابہات نہ ہوں اور محکمات ہی ہوں تو پھر کسی کا ایمان کام نہیں آئے گا- اور ہر ایک شخص فرعون کی طرح نامراد مرے گا- ایمان کا ثواب تو تبھی تک ملتا ہے جب تک کہ انسان اپنے نفس کی قربانی کر کے ایک بات محض رضائے الٰہی کے لئے مان لیتا ہے- ورنہ اگر متشابہات کا سلسلہ ہی اٹھ جائے تو ایمان ایمان نہیں رہتا- چنانچہ یہودیوں نے جب یہ سوال کیا کہ اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ (النساء: ۱۵۴) یعنی جب انہوں نے کہا کہ ہم کو خدا ظاہر میں دکھا تو ان کو اس گناہ کی وجہ سے عذاب نے پکڑ لیا جس سے ظاہر ہوتا ہے- کہ یہ سوال کرنا کہ ہم کو ایسی پیشگوئیاں چاہئیں جو متشابہات میں سے نہ ہوں- بلکہ صرف محکمات میں سے ہوں ایک گناہ ہے- اور ایسے نشانات کا طلب کرنا جن سے حق ایک اور ایک دو کی طرح ظاہر ہو جائے ایک بدی ہے-

اسی بناء پر میں پوچھتا ہوں کہ جبکہ حضرت اقدس کی پیشگوئیوں میں بھی بعض متشابہات پائی جاتی ہیں تو ان پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے- آپ کے ہاتھوں پر سینکڑوں نشانات دکھائے گئے جو ایک بیّن طور سے پورے ہوئے پس اگر چند پیشگوئیاں سمجھ میں نہیں آئیں یا بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے- کہ وہ غلط ہوئیں تو ان کی وجہ سے ان ہزارہا پیشگوئیوں کو چھوڑ دینا جو لاکھوں کی تعداد میں پوری ہوئی ہیں کہاں تک درست ہو سکتا ہے- کیا سچائی کی تڑپ رکھنے والا ایسا کام کر سکتا ہے- حضرت اقدسؑ ایسے

وقت میں دنیا میں آئے جبکہ تاریکی اور جہل چاروں طرف پھیلا ہؤا تھا اور ہر ایک شخص جو ذرہ بھی عقل رکھتا ہو اس فکر میں تھا کہ میرے پاس کون سے ثبوت ہیں جو ہستی باری تعالیٰ کو ثابت کر سکیں اور سچے اور جھوٹے مذاہب میں مَیں کن اصول کے ذریعہ امتیاز کروں۔ اور ان پیچوں کے حل کرنے کا کوئی راستہ ان کو نظر نہیں آتا تھا۔ اور جبکہ تمام مذاہب باطلہ کا زور اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اسلام کا وجود دنیا سے اٹھنے کو تھا۔ اس وقت آپؑ نے مبعوث ہو کر جو پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ دنیا کو اس زمانہ کے رنگ کے مطابق عقلی اور نقلی دلائل سے منوا دیا کہ کونسا مذہب سچا ہے اور ساتھ ہی معجزات کے منکروں کو للکارا کہ تم میں سے جو آیات و نشانات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں میرے سامنے آئیں اور سچ اور جھوٹ میں فرق کر کے دیکھ لیں۔ اس وقت سے لے کر آپؑ کی وفات تک ہزاروں بلکہ لاکھوں نشانات آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے جن کے گواہ نہ صرف احمدی جماعت کے لوگ ہی ہیں بلکہ دیگر مسلمان اور غیر مذاہب کے لوگ بھی چنانچہ عیسائی اور برہمو آریہ تک ان نشانات سے انکار نہیں کر سکتے پس باوجود اس قدر نشانات کی بارش کے اور نصرت الٰہیہ کے پھر بعض متشابہات پر اعتراض کرنا اگر غلطی نہیں تو اور کیا ہے اور میں پہلے ثابت کر آیا ہوں کہ ہر ایک نبی کے ساتھ متشابہات کی پیشگوئیاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ تاکہ سچے اور جھوٹے میں فرق کر کے دکھایا جائے اور عقلمند اور جاہل میں امتیاز کیا جائے۔ چنانچہ قرآن شریف میں بار بار آتا ہے کہ اٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ یعنی نشان ہیں عقل والوں کے لئے جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ پردہ رکھ لیا جاتا ہے تاکہ ایمان بالغیب کا ثواب بھی ان کو ملے اور ہمیشہ ایسے نشانات ہی اتارے جاتے ہیں جن کو عقلمند ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور وہ جن کے دل بغض اور حسد کے زنگ سے آلودہ ہوتے ہیں اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ چنانچہ جب اسی سنت کے مطابق حضرت اقدسؑ کی پیشگوئیوں میں بھی کچھ متشابہات ہیں تو اس میں کیا حرج ہے۔ سچائی کا فیصلہ ہمیشہ محکمات کی کثرت پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف سے صاف ثابت ہوتا ہے اور میں یہ ثابت بھی کر چکا ہوں۔ پھر حضرت صاحب کے معاملہ میں کیوں خلاف دستور اور طریقوں سے فیصلہ چاہا جاتا ہے۔ تریاق القلوب' حقیقۃ الوحی اور نزول المسیح کو پڑھ کر دیکھو کہ کس قدر بیّنات درج ہیں۔ کیا ان کو دیکھ کر مخالفین نے حضرت اقدسؑ کو قبول کر لیا جو متشابہات کے پورا ہونے پر زور دیتے ہیں۔ بلکہ ان کی ہٹ دھرمی صاف ظاہر کرتی ہے کہ ان کا مطلب صرف اعتراض کرنے سے ہے ورنہ اگر حق کی تلاش ہوتی تو وہ ہزاروں پیشگوئیاں جو پوری ہوئیں اور جنہوں نے روز روشن کی طرح حضرت اقدسؑ کے دعویٰ کو ثابت کر دیا۔ کیا کچھ

کم تھیں؟ کیا وہ لوگ ان پیشگوئیوں کو دیکھ کر نصیحت نہیں پکڑ سکتے۔ حضرت ابو بکرؓ نے تو بغیر کسی نشان دیکھے کے نبی کریم ﷺ کو قبول کر لیا۔ مگر یہ نادان باوجود اس قدر بیّنات کے پھر حق سے منہ موڑتے ہیں اور متشابہات پر زور دیتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطلب حق اور باطل کو ملانے سے ہے اور کچھ نہیں۔ جب قرآن شریف نے ہم کو یہی راہ بتایا ہے کہ ہم محکمات کو دیکھیں اور متشابہات کا خیال نہ کریں تو باوجود اس نص صریح کے کیوں ایک دوسرا طریق اختیار کیا جائے۔ اور اگر متشابہات پر زیادہ زور دیا بھی گیا تو پھر کل انبیاءؑ کا انکار کرنا پڑے گا کیونکہ کل انبیاء علیہم السلام کی پیشگوئیوں میں متشابہات پائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے سردار اور ہادی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیشگوئیاں بھی اس سے خالی نہیں۔ پس جب سب انبیاءؑ کے کلام میں ایسا پایا جاتا ہے تو پھر حضرت اقدسؑ پر کوئی کیا اعتراض کر سکتا ہے۔ اور جو شخص ان کو اس وجہ سے جھوٹا سمجھتا ہے چاہیئے کہ کل انبیاءؑ کا انکار کرے۔ پس صاف اور بے خطر طریق وہی ہے جو قرآن شریف نے بتایا ہے یعنی متشابہات کا خیال نہ کرو۔ کیونکہ ان کے لئے تعبیریں ہوتی ہیں اور وہ مختلف رنگوں میں پوری ہو جاتی ہیں بلکہ محکمات کو دیکھو جن پر فیصلہ کا اصل دارومدار ہوتا ہے۔ اور اس اصول پر جب ہم دیکھتے ہیں تو حضرت اقدسؑ کی وفات پر جس قدر اعتراضات ہوتے ہیں۔ سب کے سب بلا امتیاز خود بخود رد ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ کی سینکڑوں پیشگوئیاں ہیں جو پوری ہو چکی ہیں۔ اور ہزاروں نشانات ان کے ہاتھ پر دکھائے گئے ہیں۔ پس ان کے ہوتے ہوئے متشابہات کی طرف ہم توجہ نہیں کر سکتے اگر کوئی پیشگوئی پوری نہ ہوتی اور کل کی کل متشابہات ہی ہوتیں تو پھر کسی کو حق ہو سکتا تھا کہ وہ یہ اعتراض کرے کہ فلاں پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ لیکن جب بفضل خدا خود حضرت اقدسؑ اپنی زندگی میں سینکڑوں نشانات کی فہرست شائع کر چکے ہیں جو ایسے کھلے طور سے پورے ہوئے کہ ان میں کوئی شک کی گنجائش نہیں رہتی تو اب برخلاف حکم قرآن و احادیث بعض ایسی پیشگوئیوں پر اعتراض کرنا جو بظاہر پوری نہیں ہوئیں عقل سے بعید ہے۔ اور یہ اعتراضات نہ صرف حضرت اقدسؑ پر پڑتے ہیں۔ بلکہ کل انبیاءؑ پر وارد ہوتے ہیں۔ جس سے ان سب کا انکار لازم آتا ہے۔

میں یہ بھی ثابت کر آیا ہوں کہ متشابہات کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر متشابہات نہ ہوں تو ایک تو ایمان بالغیب کا ثواب نہ رہے اور دوسرے کل دنیا مسلمان ہو جائے جو خدا تعالیٰ کی سنت کے برخلاف ہے کیونکہ وہ اپنے پاک کلام میں فرما چکا ہے کہ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ

الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ (اٰل عمران: ۵۶) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار ہر زمانہ میں رہیں گے- پس اس بات کی توقع رکھنا کہ کسی نبی کے کلام میں متشابہات نہ ہوں اور محکمات ہی محکمات ہوں ایک ایسا خیال ہے جو کبھی پورا نہیں ہو سکتا- اور دوسرے متشابہات میں ایک اور حکمت بھی ہوتی ہے کہ انسانی فطرت کچھ عجیب طرح سے واقع ہوئی ہے کہ جو کوئی بڑا آدمی گذرتا ہے اس کے تابعین کچھ مدت گذرنے کے بعد اس کی پرستش کرنے لگتے ہیں- مثلاً کرشن' رامچندر' عزیر' مسیحؑ جن کو کچھ مدت بعد خدا کا شریک سمجھ لیا گیا- پس اگر متشابہات ان کی پیشگوئیوں میں نہ ہوں اور محکمات ہی محکمات ہوں اور بشری لوازمات سے یہ لوگ پاک ہوں تو شاید بجائے خدا کے شریک بنانے کے تمام انبیاءؑ کو خدا ہی سمجھ لیا جاتا- چنانچہ اس وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان کے ساتھ بشری کمزوریوں کو بھی رکھا ہے- اور متشابہات کا سلسلہ بھی قائم کر دیا ہے- تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں ان کے حالات کو پڑھ کر اور ان کی پیشگوئیوں کو دیکھ کر اندازہ لگا سکیں کہ یہ لوگ بھی ہماری طرح انسان ہی تھے- اور خدائی میں ان کی کوئی شراکت نہ تھی- چنانچہ غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رامچندرؑ کی بیوی کو راون کا لے جانا اور ان کو خبر نہ ہونا اور پھر بڑی تکلیفوں کے بعد آس پاس کی قوموں سے مدد لے کر راون پر فتح پانا اسی لئے تھا کہ ان کی امت ان کو خدائی کا درجہ نہ دے اور اگر دے تو سعید الفطرت انسان ہمیشہ سمجھ سکیں کہ وہ ایک برگزیدہ نبی تھے- خدا نہ تھے- اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کا یہودیوں سے مار کھا کر سولی پر لٹکایا جانا اور تخت کے وعدہ کا جھوٹا نکلنا بھی اسی لئے تھا کہ عیسائی ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہوئے شرمائیں اور سعید روحیں ہمیشہ ان باتوں پر غور کر کے شرک کی ملونی سے اپنے آپ کو پاک رکھیں- پس ظاہر ہے کہ متشابہات کا ہونا نہ صرف اس لئے ضروری تھا کہ سچوں اور جھوٹوں کو الگ کیا جائے بلکہ اس لئے بھی کہ آئندہ نسلیں کسی نبی کو خدا یا اس کا شریک نہ بنا لیں- اور اگر وہ ایسا کریں بھی تو سعید انسان عقل سے کام لے کر اس شرک سے الگ رہیں- پس ہر ایک طالب حق کو چاہیئے کہ جو کوئی شخص حضرت اقدسؑ کی بعض پیشگوئیوں پر جو متشابہات سے ہیں اعتراض کرے تو اس کے سامنے یہ معاملہ کھول کر بیان کر دے کہ متشابہات کا ہونا ہر ایک نبی کی پیشگوئیوں کے لئے ضروری ہے- اور ہر ایک نبی کے ساتھ ایسا ہوتا آیا ہے- اور خدا کی سنت یہی رہی ہے- اور سچائی کے دریافت کرنے کے لئے محکمات ہی دیکھے جاتے ہیں- چنانچہ حضرت اقدسؑ کی محکمات پیشگوئیاں اس کثرت کے ساتھ ہیں کہ کوئی صاحب بصیرت انسان ان کو دیکھ کر آپ کی سچائی میں شک نہیں لا سکتا- اور یہ فیصلہ کا ایک ایسا آسان اور محکم طریق ہے کہ اس

سے وہ تمام اعتراضات جو حضرت کی پیشگوئیوں پر پڑتے ہیں- دور ہو جاتے ہیں- اور سچائی کا چہرہ روشن ہو جاتا ہے- اور یہ اس لئے ہے کہ خدائے زمین و آسمان نے اپنے پاک کلام قرآن شریف میں فیصلہ کی یہی راہ بتائی ہے- جیسا کہ میں اوپر بتا آیا ہوں اور ثابت کر آیا ہوں یعنی متشابہات کو چھوڑ کر محکمات پر نظر کی جائے-

اس جگہ میں اس بات کا ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ اصل ثبوت سچائی کا پیشگوئیاں ہی نہیں بلکہ اور دلائل بھی ہیں جن سے ایک نبی کی سچائی کو ہم ثابت کر سکتے ہیں- کیونکہ پیشگوئیاں صرف وقتی ہوتی ہیں اور پھر محض قصے رہ جاتے ہیں جس سے آئندہ زمانہ کے لوگ بہت فائدہ اٹھا نہیں سکتے- بعد ازاں تعلیم رہ جاتی ہے- اور خود نبی کے وقت میں بھی ایسی اور راہیں ہیں جن سے اس کی سچائی ظاہر ہوتی ہے مثلاً نبی کریم ﷺ کی سچائی کا ایک ثبوت خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ دیا ہے کہ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس: ۱۷) یعنی اے نبی تو ان لوگوں کو کہہ دے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں یہ آیات تمہارے سامنے نہ پڑھتا- اور نہ تم کو ان کی خبر دیتا- پس تحقیق میں نے اس سے پہلے ایک عمر تم میں گذاری ہے پھر تم کیوں عقل نہیں کرتے- یعنی میں تم میں ایک لمبا عرصہ گذار چکا ہوں پھر تم میری سچائی میں کیا شک لاتے ہو- کیونکہ اگر مجھے پہلے افتراء کرنے کی عادت ہوتی تو اس موقعہ پر بھی تم شک کر سکتے تھے کہ اس کو کوئی الہام نہیں ہوتا بلکہ یہ خود بنا لیتا ہے- لیکن جب تم میرے پچھلے حالات سے واقف ہو اور جانتے ہو کہ میں جھوٹا نہیں ہوں تو اس موقعہ پر کیوں یہ شک کرتے ہو- اور جب میں انسانوں پر جھوٹ نہیں بولتا تھا تو کس طرح ممکن ہے کہ اب خدا پر جھوٹ بولوں- اب دیکھنا چاہیئے کہ ایک رسول کی سچائی کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ ایک ثبوت رکھا ہے- کہ وہ اپنی پچھلی زندگی کی نظیر دے کر اپنی سچائی کو ثابت کرتا ہے کہ میں ہمیشہ سے نیک عمل کرتا رہا ہوں اور جھوٹ سے مجھے نفرت رہی ہے- پھر اب میں کیوں خدا پر افتراء باندھنے لگا- اب اہل انصاف غور کریں کہ یہی دعویٰ حضرت اقدسؑ نے کیا ہے- اور آج تک کسی کو جرأت نہیں کہ آپؑ پر کوئی الزام لگا سکے- پس کیونکر چند متشابہات پیشگوئیوں کی وجہ سے ہم ان کا انکار کر سکتے ہیں- مسلمان تو الگ خود ہندو اور عیسائی بھی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ آپ اپنی تمام عمر میں نہایت نیک اور پارسا رہے ہیں- پس یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جو شخص چالیس برس تک ایک عام زندگی بسر کرے اور جھوٹ سے متنفر ہو اور سچ کا شیدا ہو وہ اپنی آخر عمر میں خدا پر افتراء کرے اگر یہ کوئی سچائی کی دلیل نہیں تو یاد رکھو کہ

آدمؑ سے لے کر نبی کریم ﷺ تک تمام انبیاء علیھم السلام پر اعتراض وارد ہو گا- غرض نبی کی زندگی میں اور اس کے بعد پیشگوئی ہی کوئی سچائی کا ثبوت نہیں بلکہ اور بہت سی باتیں قرآن و احادیث سے ثابت ہیں جن سے نبی کی شناخت ہوتی ہے- چنانچہ ان میں سے ایک مثال کے طور پر میں لکھ بھی آیا ہوں اور ثابت کر آیا ہوں کہ اس لحاظ سے بھی حضرت اقدسؑ کی سچائی ثابت ہوتی ہے- اور دیگر وجوہات سے بھی جو میں بہ سبب طوالت کے یہاں لکھ نہیں سکتا آپ کا حق پر ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے- پس باوجود ان تمام وجوہات کے چند متشابہات کی وجہ سے حضرت اقدسؑ کا انکار کرنا صاف شقاوت پر دلالت کرتا ہے- اور ظاہر کرتا ہے- کہ آدمؑ اول کی طرح آدمؑ ثانی کا بھی محض حسد اور تکبر کی وجہ سے انکار کیا گیا ہے- غرض یہ باتیں تو نبی کی زندگی کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں- مگر اس کے بعد ایک تعلیم ہی رہ جاتی ہے- جو مخالفین اور طالبان حق کے سامنے پیش کی جا سکتی ہے- پس اب ہمیں حضرت اقدسؑ کی سچائی کو پرکھنے کے لئے ضروری ہے- کہ ان کی تعلیم کو دیکھیں اور اس سے اندازہ لگائیں کہ آیا واقعی انہوں نے وہ کام کیا جو ایک نبی کے لئے ضروری ہے یا نہیں- اب تعلیم بھی تین قسم کی ہوتی ہے- اول تو عام شرعی معاملات کی تعلیم جو روزمرہ پیش آتے ہیں- دوسری وہ تعلیم روحانی جس سے جماعت میں نیکی اور تقویٰ پیدا ہو جائے- تیسری وہ تعلیم جس سے غیر مذاہب کا مقابلہ کیا جائے- اور انہیں تینوں تعلیموں کے پھیلانے کے لئے ہر ایک نبی دنیا میں آتا ہے- پس دیکھنا چاہیئے کہ حضرت صاحبؑ نے ان تمام تعلیمات کو ایسا پھیلایا ہے کہ دوست تو دوست دشمن تک انکار نہیں کر سکتے- ہر ایک فرد بشر چلاّ چلاّ کر کہہ رہا ہے کہ حضرت صاحب نے اس وقت اسلام کی وہ خدمت کی ہے کہ اسکا انکار سخت نمک حرامی ہے- اسلامی مسائل کو ایسا صاف کیا ہے کہ کسی دشمن کی طاقت نہیں کہ ان پر حملہ کر سکے مسیحؑ کی وفات کے مسئلہ کو صاف کر کے مسلمانوں کے دلوں میں سے شرک کے بت کو اس طرح نکالا کہ خدائے واحد کا روشن چہرہ ان میں منعکس ہونے لگا- خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مسئلہ پر روشنی ڈالی کہ گویا خدا کو سامنے دکھا دیا- عرش اعظم کی فلاسفی ایسے رنگ میں بیان فرمائی کہ کل اعتراضات جو مخالفین کرتے تھے یکدم دور ہو گئے- الہام اور وحی کے دروازہ کو ہمیشہ کے لئے کھلا ثابت کر کے اسلام کو زندہ مذہب ثابت کیا- جہاد کا مسئلہ ایسا صاف کیا کہ خونریزی کا بدنما داغ ہمیشہ کے لئے اسلام کے دامن سے مٹ گیا- دعا کی حقیقت اور قبولیت کو روز روشن کی طرح کھول کر بتا دیا کہ یہ برکت اسلام میں ہی ہے اور اخوت اور

محبت کی خوبیاں بیان فرما کر دشمنوں کو بھی بھائی بھائی بنا دیا۔ ☆غرض جو جو برائیاں اور بد اعتقادیاں مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں ان کو دور کیا اور وہ اصل اعتقاد جو قرآن و احادیث سے ثابت ہوتے تھے ان میں پھیلائے جن کو سعید روحوں نے قبول کیا۔ مگر وہ جو شقی تھے ان سے متنفر ہو گئے پھر اس کے بعد دوسری تعلیم جو روحانیت کے متعلق ہے ایسی دی کہ اب خدا کے فضل سے تین چار لاکھ احمدی ہیں جن میں سے اکثر صحابہؓ کے صدق کا نمونہ پھر دکھا رہے ہیں۔ بیسیوں ہیں جو دہریت کی عمیق غار میں گرے ہوئے تھے مگر حضرت اقدسؑ کی تعلیم سے متأثر ہو کر اب فنافی اللہ ہو رہے ہیں۔ سینکڑوں ہیں جو طرح طرح کے شرکوں اور بدعتوں کو چھوڑ کر خدا اور رسول کے دلدادہ و شیدا ہو رہے ہیں۔ وہ جنہیں اسلام کے نام سے نفرت تھی اب اس پر جان دیتے ہیں اور وہ جو ایمان کے نام سے ناواقف تھے۔ اب دوسروں کو ایمان کی طرف بلاتے ہیں۔ غرض تیرہ سو سال کے بعد آپ نے پھر ثابت کر دیا کہ قرآن کی تعلیم پر چل کر انسان کیا سے کیا ہو سکتا ہے۔ پھر تیسری تعلیم جو غیر مذاہب کے متعلق ہے وہ دی ہے کہ اب کوئی مذہب اسلام سے بڑھ کر اپنی خوبیاں بیان نہیں کر سکتا۔ تمام مذاہب کی غلطیاں ثابت کر کے ان کو اسلام کی خوبیوں کا قائل کر دیا اور دشمنوں کے منہ سے وہ کلمات نکلوائے جو اسلام کی تعریف سے مملوء تھے۔ براہین جیسی مدلّل کتاب لکھ کر آریوں' برہموؤں اور دہریوں کا قلع قمع کر دیا۔ آئینہ کمالات اسلام لکھ کر وساوس شیطانی کو ایسا دور کیا کہ دل صاف ہو گئے۔ جلسہ مذاہب میں وہ تقریر کی کہ کل غیر مذاہب کو اسلام کی برتری ماننی پڑی۔ بشپ کو چیلنج دے کر عیسائیت کو پاش پاش کیا تو لیکھرام کو ہلاک کر کے آریوں کو سبق دیا۔ غرض ان کے وجود کی برکت سے اسلام کا پاک چہرہ پھر دنیا پر مہر عالم تاب کی طرح چمکا اور دوست و دشمن نے اس کی سچائی کا اقرار کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی وفات پر بہت سے مسلمانوں نے اس بات کو مانا کہ ان کا ہر ہر لفظ مردہ دلوں کے لئے مسیحائی کا کام کرتا تھا۔ پس یہی کام تھا جس کے لئے وہ آئے تھے۔ اور پورا کر گئے۔ اور یہی تعلیم ہی ہے جو ان کی سچائی کو ثابت کرتی ہے۔ اور میں اگر اس کی نسبت کسی قدر تفصیل سے لکھوں تو یہ ایک بڑا مضمون بن جائے گا۔ اس لئے اسی قدر لکھ کر ختم کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ میں یا کوئی اور صاحب آئندہ اس معاملہ پر ذرا وسیع نظر ڈالیں گے۔

☆جس طرح نبی کرتے ہیں ورنہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ الگ جماعت بنا کر تفرقہ ڈال دیا تو اسے حضرت عیسیٰؑ کا قول اور ہندہ کی نبی کریم ﷺ سے گفتگو یاد کرنی چاہئے۔

غرض اب میں یہ ثابت کر آیا ہوں کہ پیشگوئیاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ایک محکمات اور ایک متشابہات اور قرآن شریف کے حکم کی رو سے متشابہات پر بحث نہیں کرنی چاہئے۔کیونکہ کثرت محکمات کی ہو تو پھر متشابہات کا ذکر کرنا ہٹ دھرمی ہے۔اور اس اصول پر نظر ڈالتے ہوئے حضرت اقدس ؑ پر کوئی اعتراض نہیں رہتا اور پھر میں نے لکھا ہے کہ اصل تعلیم ہی سچائی کا معیار ہے۔اس پر نظر ڈالیں تو آپ کی سچائی میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔غرض یہ دو اصول ایسے ہیں کہ اگر احمدی جماعت ان کو یاد رکھے گی۔تو انشاء اللہ مخالفین کے تمام اعتراضوں سے محفوظ رہے گی۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

راقم خاکسار

میرزا بشیر الدین محمود احمد

(تشحیذ الاذہان جون/جولائی ۱۹۰۸ء)